

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ذَلِكَ الْكِتَابُ

(محمّد ص)

بدل گئے ہوں جو دیوار و در تو کیا اس سے اسی اساس پر قائم ہے اب بھی یہ منجانب
میر تقی میر کی تصنیف شیخ امجد حضرت مولانا غوثی شاہ کی معرکہ الاراء تصنیف ہے جو
نور النور کے ریح المآثر سلسلہ میں بار اول چھپی تھی اس کی دوسری اشاعت پیر و مرشد
حضرت احمد بن عربی المعروف بہ صہبوی شاہ مخلف و جانشین حضرت مدد بخ کی نگرانی میں عمل میں آئی
زیر نظر طباعت بار سوم ہے جس کو میں بمقتدایم وصال حضرت مصنف پیش کرنے کی سعادت
مائل کر رہا ہوں۔ اس لئے کہ

بپ کا علم نہ بیٹے کو اگرا زبہ ہو پھر لیر قابل میراث پر دی کون کو ہو (اقبال)
اس تصنیف میں توحید حقیقی اسلامی (وحدۃ الوجود) خود شناسی ادنیٰ شناسی کا مجموعہ راہ کتاب و سنت کے
مطابق آسان ہے۔ اس میں ان عام خیال غلط فہم تحقیق اور ادعہ کچے اسلامی خیالات کے رد میں
کی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے جو عنوان وحدۃ الوجود کے صحیح اعتبار کو جو کہ مترادف توحید حقیقی یعنی ہتم
لا الہ الا اللہ اہدایت ہویت ہے (جس کے بغیر آدمی پاکا سلم و مومن و محسن و موصد نہیں بن سکتا۔
اد مرتبہ مقررین و مدد یقین تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ وہ بالعمی اس پر ایمان لایا بھی ہے
جس سے کہ وہ خود باعتبار تحقیق واقف نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ شرک مخفی میں مبتلا رہتا ہے۔
اپنی نا فہمی سے غیر اسلامی عجبی ہندی وغیرہ سمجھتے ہیں اور اس پر بس نہیں کہتے بلکہ اپنی غلط
تفہیم اور بے بقاعطی سے اس کی تردید میں نعرش قلم کی غلط گردنوں سے خود کو بھی اور
نادانف خطرات کو بھی معرض خطر میں ڈالتے ہیں۔ اس گمراہی سے اہل اسلام کو بچنا چاہئے۔
اللہم ارحمنا ولا تقف مالیس لك بہ علم

اس کتاب پر مستعد دروید ہوئے ہیں جن میں چند دروید کے اقتباسات آخر کتاب میں

دعائے نئے گئے ہیں۔ فقط غوثی شاہ صاحب

خلف و جانشین حضرت پیر صہبوی شاہ و جانشین سلسلہ مرکز صہبویہ و غوثیہ کمالیہ

۱۶/ شوال ۱۴۱۸ ہجری بروز پنجشنبہ ۶/ اگست ۱۹۹۸ء۔ بیت النور چھپل گورہ حیدر آباد پٹی

اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

الحمد لله والمنة والنعت لرسوله سيدنا محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم

کتاب جامع طرق شریعت و طریقت حقیقت و معرفت

المستنبه

نور النور

تصنیف شیف کنز العرفان ابوالایقان بیگلر خان و احسان

الحاج حضرت غوث علی شاہ المعروف غوثی شاہ علی نقاوی چشتی دہلوی
خلیفہ خاص و جانشین شمس العارفین حضرت سیدنا کمال الدین شاہ المعروف پیر محمد علی شاہ چشتی دہلوی

(زیر اہتمام)

غوثی شاہ و نقادری چشتی دہلوی

خلف و جانشین حضرت پیر محمد علی شاہ و جانشین سلسلہ صوفیہ و غوثیہ و کمالیہ

بار اول ۱۳۴۹ھ تعداد (۱۰۰۰) بار دوم ۱۳۶۹ھ تعداد (۱۰۰۰) بار سوم ۱۴۰۱ھ (۱۰۰۰)

بموقعیوم وصال حضرت مصنف تبلیغ مآثر اقدس
۱۴۰۱ھ ۱۴۰۲ھ ۱۴۰۳ھ

قیمت ۱۰ روپے

بروز پنجشنبہ

پیشکش

مولیٰ تعالیٰ کی آنکھوں میں رہنے والے (اِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا) کے

ام سے معنوں اور انھیں کے پیشکش ہے۔ وہ کون ؟

حضور انور خاتم النبیین۔

سیدنا محمد رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

اے خاکِ درگاہ تو جبین نیاز ما

قربان اک نگاہ تو عمر دراز ما

فقیر بہ
غوث علی شاہ عوثی

اس میں کیلئے؟

اللہ وحدہ لا شریک لہ پرتخت لا الہ الا اللہ تفسیلی ایمان لانے کا بیان

ذات پر صفات پر افعال پر آثار پر

ایمان حقیقی اس کی جزا؟
شہود حق قرب حق

کہاں؟ اسی عالم میں!

”شہود باعتبار ظہور“ ”قرب باعتبار نور“

اسی کے دکھانے سے ”اسی کے ساتھ ہونے سے“

اس کا حال؟

الطیعیان لذت مشرور وصال

اس سے بے اعتنائی؟

ذات میں..... صفات میں..... افعال میں شرم

اس کا نقصان؟

”غفلت“..... غماں میں کمی..... حق سے دوری

اس کی جزا؟

شہود خلق اللہ قرب غیر اللہ

اپنے جہل سے اپنے وجود کے فہم سے

اس کا وبال؟

اضطراب حزن و ملال

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَنَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ایسا حال
شاد باش اے عشق خوش دے ما
اے طیب جملہ علت ہاے ما

امداد

حضرات! فقیر اس عالمِ ناسوت میں ابھی کچھ ہوش میں آیا نہ آیا تھا کہ کسی
بے نشان کلبے دیکھے دیوانہ ہو گیا چونکہ گھر ہی میں نعمت تھی اُسی کی باتوں سے
کان آسناتھے اُسی کے ذکر سے سابقہ رہتا تھا سنتے سنتے فریفتہ ہو گیا بے قراری
ہو گئی اگرچہ دنیاۓ ناسوت کی نیرنگیاں اپنی طرف کھینچتی تھیں نوجوانی کے امنگ
ترنگ کچھ اور دعوت دیتے تھے ولے کچھ اور ولے تھے نظریں دور دور پڑتی
تھیں خیالِ ادھر ہونے نہیں دیتا تھا لیکن پھر بھی اُن ہی کارنگ
غالب آیا صبغة الله ومن احسن من الله صبغة - اللہ کے رنگ سے
کو نسا رنگ بہتر وہی چمکے چمکے اندر ہی اندر سے اپنا رنگ جانے لگے عین
نور النور

بیس برس کا سن اور وہ بھی ابھی پورا نہ تھا، خیال بندھ گیا، دھن لگ گئی یہ شعر ورد زبان تھا۔

خوشا دردے کہ در مانس تو باشی
مولانا عاقیؒ خوشا را ہے کہ پایا نش تو باشی

والد صاحب قدس سرف نے دیکھا کہ اب اس کو ادھر کی دھن لگ گئی ہے خیال بندھ گیا ہے... کچھ اپنے فیضان سے سرفرازی بخشی۔ تھا تو فقیر اسی عالم میں مگر سیر اور طرف کی تھی قسمت سے یہ صحبت حضرت والد صاحب قدس سرہ کی ابھی کچھ سننے نہ پائی تھی کہ انہوں نے اپنے مولیٰ کی دعوت پر لبیک کہی اب تو چونکہ ادھر کا چسکا لگ گیا تھا اور بے چینی بڑھ گئی۔ فیضان از بدست تھا سنبھال مشکل ہوئی، لیکن شکر خدا کہ مولیٰ تعالیٰ نے پھر انہی کی رُح سے کچھ فیضان پہنچانا شروع کیا، اسی حال میں تھا کہ ایک تجلی باطنی ہوئی، یعنی حضرت شیخ اکبر سیدنا محمد محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے فیضان عرفانی کا سمندر سامنے ہو گیا۔ تلافی مافات ہوئی، خوب سیراب ہوئے، پی پی کر چھک چھک گئے۔ جھومنے لگے، کبھی اس ساتی کے صدقے ہوتے تھے کبھی اُس ساتی حقیقی کے مزے کا سماں تھا، خوب کیفیت تھی۔

اسی رنگ میں تھے کہ یکایک پھر ایک تجلی ہوئی جس سے اول تو حیرانی ہوئی، پھر تکیں، نظارہ کرنے لگا، تو آواز آئی کہ ہاں ذرا سرکے الہی کی طرف نکل، اپنے جھونپڑے سے شمال کی جانب چل۔ پریشان ہو گیا، ماجرا کیا ہے، کیوں جاؤں، کہاں جاؤں، دو ڈھائی

بنے ہی حال رہا۔ پھر تو جو بات بیداری میں ہونے والی تھی واقعہ
 ملائی گئی، اب تو شدت ہو گئی، ہر طرح سے ڈھکیلے گئے، قدم بڑھلے
 اللہ کہہ کر چل نکلا۔ جانبِ شمال گیا، سر اُٹھایا، الہی پہنچا، دیکھا ایک زبردست
 ہے، یہ شکل بشری ہے، مجسم ہے، سراپا ہے، مگر سادہ ہے، نظر حسی
 قدم میں لغزش دینی چاہی، نور بصیرت نے تھاما۔ پھر کیا تھا، روح نے
 کہی، دل نے تسلیم کیا، سر جھک گیا، یہ شعر زبان پر آیا۔

اے از فروغِ رویت روشن چراغِ دیدہ

مولانا حافظؒ مانند چشمِ مست چشمے جہاں ندیدہ

برہانہ گیا، بے اختیار ہو گیا۔ آگے بڑھ کر قدم چوم لئے۔ ماشاء اللہ
 ہے کسی تجلی ہے الہی تجلی ہے، اللہ کا کمال ہے، مولا کا جمال ہے، چہرے
 ذرے آنکھوں میں بجلی باتوں میں اعجاز، ہونٹوں پر تبسم، عمامہ اللہ
 ادا میں سادگی، اخلاق میں دلفریبی ہے۔ دیدہ عام حیرانِ خیال
 ن پریشان، پہچان گیا۔ نظر خاص میں سماتے ہیں، خیالِ حال
 بستے ہیں۔ اہلِ دل کے سرور ہیں، اہلِ علم کے نور۔

عجب دربار، عجب سرکار میں پہنچا۔ حضرت شاہ میر رحمۃ اللہ علیہ
 برت ہے شاہ کمال رحمۃ اللہ علیہ کی صورت۔ وہ شمع خاندان
 تھے، یہ شمع خاندان شاہ میر و شاہ کمالؒ۔ مچھلی والے شاہ
 مشہور ہیں مگر حضور کا اسم مبارک سیدی کمال اللہ شاہ ہے۔
 مال آیا حضرت سیدنا یونس علیہ السلام کا لقب ہے، مچھلی والے
 نور النور

خوبی کہ تو داری صنم درد گرے نیست

کے مصداق ہیں۔

فقیہ پر نظر پڑ گئی، دیکھتے ہی مسکرا دیا۔ آنکھوں آنکھوں ہی
میں کچھ اشارہ کر دیا دل کو موہ لیا، متوالا بنا دیا، معاملہ کچھ کا کچھ
ہو گیا۔

تلقین درس اہل نظر کا اشارت

حضرت حافظ کرم اشارتے، وکرر نمی کنم

پھر کیا تھا، فقیہ تو فقیہ تھا ہی بندہ بے دام بن گیا، غلام بن گیا، وہ مولیٰ بنے
آقا بنے اور خدا جانے کیا کیا بنے۔

والد صاحب کا لطف صحبت یاد آ گیا، حضرت شیخ اکبر
رحمۃ اللہ علیہ کا سماں بندھ گیا، دولت مل گئی، مال مال ہو گیا، نعمت
ہاتھ آئی، کیا پوچھتے ہو کیا ملا۔

خلاصہ یہ کہ اب تو یہ غوثی کے حق میں کریم اللہ شاہ ہے شیخ نیکرے
بندہ نواز ہے، غریب نواز ہے، حبیب اکرم خدا کا جیوہ ہے، پھر کچھ اب ہے
پھر کچھ اور ہے، اب آگے کیا کہوں یہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہوں
اُسی کا فیض ہے۔

اُسی کے در کا گدا ہوں، اُسی کا کہلاتا ہوں۔ ایک اس کے ہونے
سے سب کا ہو گیا، بندہ نواز کا پیارا ہے، غریب نواز کا لطف شیخ اکبر کی غنیاء
ہیں غوث پاک کے الطاف۔ شاہ ولایت کی نوازش ہے شاہ طریقت
نور النور

کی توجہ۔ حبیب حق کا کرم ہے خدا کے عالم کا فضل۔

بڑا بد نصیب ہے وہ شخص جو اس کھلے ہوئے دربار سے فائدہ نہ اٹھائے۔

فقر کیا کہے، ایک عالم میں پھیرے لگائے، میں اکثر شہر دیکھے ہیں۔ بہتوں کو دیکھا اچھے اچھوں کو دیکھا بڑے بڑوں کو دیکھا۔ کمال والوں کو دیکھا جمال والوں کو دیکھا۔ اور جیسا دیکھنا تھا دیکھا۔ لیکن اپنی نظر کو کیا کیجئے اس شان کا دیکھا نہ اس آن کا پایا۔

الحاصل اپنے لئے توجہ کو کچھ دیکھنے کے قابل تھا وہ یہی تھا وہ یہی ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

اب کس کو دیکھوں کیسے دیکھوں، کیا دیکھوں جسے دیکھنا تھا دیکھ لیا جیسے دیکھنا تھا دیکھ لیا جو دیکھنا تھا دیکھ لیا۔ اب اس کے آگے کس کو دیکھوں کیسا دیکھوں کیا دیکھوں۔ اب اس کا در چھوڑ کر کہاں جاؤں کیسے جاؤں..... الہی اب اس کا در ہے اور میرا تہہ ہے۔

ما فظ جناب پیرمغاں جائے دولت ست
من ترک خاک بوسنی این در نمی کتم

فقر غوثی کا ان اللہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حمد

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ ساری تعریف اُسی ذات پاک کے لئے ہے جس کے نور سے آسمانوں اور زمین اور ساری چیزیں جو کہ اُن میں ہیں ظہور میں آئیں۔ اللہ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ اور باوجود اس کے وہ ذات پاک ہر قسم کے عیب و نقصان سے منزہ ہے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔ صدقے اس نورِ واحد کے جو سب کو ظہور میں لاکر خود کو سب سے چھپایا اور پھر باوجود اس کے اسی چھپنے ہی سے ظاہر ہوا اھو الظاہر واللباطن۔ سب اُسی کے ہیں۔۔۔ اُسی سے ہیں وہ نہیں تو سب سب نہیں۔ وہ ہے تو سب سب ہیں۔ وَلَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا يَشْعُرُ وَمَا نَحْتِ الْفَرْقِ کیا تعریف ہو سکے اُس کی۔ اُس کی تعریف کو اُسی کی زبان چاہئے۔ سیکھی ہوئی طوطی کیا تعریف کر سکے وَلِلَّهِ الْحَمْدُ فِي الْأَدْوَى

نعت

مبارک نعت اُس نور پاک کے لئے جو نورِ اول میں مرکزِ ظہور میں قَدْ
جاء کھڑے اللہ نُورِ ذِکْرِ کُتُبِ مُبِیْنِ هٗ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہ نُورِی۔ کیا
نعت ہو سکے ان کی جو محبوب رب العالمین ہیں۔ جس نے بنایا ہے وہی ان کا شہید ہے
ان کی ادا تو وہی کچھ جانتا ہے۔ کمالِ فخر سے فرماتا ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ
اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ۔

واہ واہ کیا موصوف ہے! کیا موصوف ہے! کس کا موصوف ہے؟
اُس کا موصوف ہے جو سب کا موصوف ہے اس کا حیدر ہے جو سب کا
محدود ہے۔ اُس کا مقبول ہے جو سب کا مقبول ہے۔ اُس کا مقصود ظہور
ہے جو سب کا مقصود ہے۔

رابطہ تجلّی یہ ہے واسطہ تمثیل یہ ہے۔ قَدَمِ وَحْدَتِ کَا جَامِعِ مانے یہ ہے۔
مہرِ اِکْبَادِ بتائے ہر اعتبار میں بے مثلی ہے مثلاً اِسی سادگی ہی کو لو.....
بشر میں پھر کیا کوئی ایسا بشر بنا سکتا ہے جس کی وحی بلا اِخْرافِ تاقیام
قیامت ہو؟ کیا کوئی ایسے صاحبِ وحی بشر کو بنا سکتا ہے کہ دندانِ مبارک
کے شہید ہونے کے بعد بھی اِهْدِ قَوْعِیْ فَا نَحْمُ لَا یَعْلَمُوْنَ
فرماتے؟ سبحان اللہ!

اور پھر اِفْلاَقِ کا کیا کہنا اِنَّكَ لَعَلَّ الْخُلُقِ عَظِیْمِ باتوں کو کیا
نور النور

پوچھتے ہو مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ أَتَنْهَوْنَ كُوِيَا دِيكْفَتے ہو مَا زَاغَ الْبَصَرُ
 وَمَا خَطَا صَوْرَتُ كُوِيَا بَتَا يَا جَائِعُ صَبِيحِ مِيں وَالْفَجْرِ هے تَوَشَّبَ مِيں وَالْفَجْرِ
 زَلْفوں كُوِيَا كُھے جَو بَكھرے تَوَدَلِيَا لِعَشْرِ سَمُتے تَوَدَلِيَا اِذَا سَجَا
 مَا تَقْوَى كَا كُوِيَا پُوچھنا اَيُّ اللّٰهِ فَوْقَ اَيِّ دِيهْمَ سِنے كُوِيَا كُھیں اِ
 اَلْوَلَشَّرَحَ لَكَ صَدْرَكَ ۚ يَسْتَ مِيَا رَك كُوِيَا بَتَا يَسْ وَوَضَعْنَا
 عَنكَ وَدَرْكَ الَّذِي اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۚ اَدَا ز كُوِيَا كُھے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ
 فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ ۚ رَقَا ر كُوِيَا بَتَا يے لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ
 اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ۚ لِيَا س اَنُو ر كُوِيَا كُھیں اَكْر شَبَّے تَوِيَا اَيُّهَا الْمُنَزَّلُ
 جَوْدن ہے تَوِيَا اَيُّهَا الْمَدَنِيُّ شَرَطَ اللّٰهُ لَكَ شَانِ هے مَا شَاءَ اللّٰهُ

وصلے اللہ علی النور کو و شد نور ہا پیدا

حضرت جامی زمیں از حُب اوسا کن فلک در شمع اوشیدا

بندے گندے کی کیا مجال جو اپنے خدا کے محبوب و محمود کی تحریف کر سکے
 امت کی کیا طاقت جو ایسے سہرور کو نین رسول کی جن کے نور سے کو نین کی ایجاد
 ہوئی ہو ”سارے ملک اور انبیاء تک ان کے نور سے بنے ہوں“ نعت
 کہہ سکے اور پھر ایسی صورت میں کہ ان کے فیض بغیر ہماری نمود تک
 نہیں۔

ان کی نعت اب انھیں کے حوالہ کیجئے یا اُس کے جس نے کہ انھیں بنایا
 اب رہی اپنی تشفی کیسے کیجئے ؟ تو اس کے لئے اعتراف عجز کر لیجئے،
 یا اُس کے بنائے ہوئے جلوں کو دہرا دیجئے، جس نے کہ انھیں

اپنے نور خاص سے بنایا۔ گو اس دُعا مانے کے لئے بھی انھیں کے نور کی ضرورت ہے۔
 مگر کیا کیجئے، کون سا مان اپنا ہے! سوئے اس کے چارہ کیا ہے۔ اِنَّ
 اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
 صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

فَقُولُوا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَی اٰلِ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ اَلْفُ فَرَسَاتٍ ط

اما بعد

اس مسئلہ پر کہ وحدۃ الوجود کیا ہے؟

کچھ تو احباب کا استفسار اور کچھ موجودہ حالات کے غلط اعتبارات نے قلم رانی
 اور اظہار حق کے لئے فقیروں کو آمادہ کیا، لیکن قلبی شدت، غیبی آمد کا انتظار تھا
 جو بفضلہ اس تحریر کا باعث ہوئی۔ اگرچہ فقیربے سرو سامان کا حوصلہ تھا، نہ
 ہے مگر با این ہمہ کام لینے والا اور ہی ہے سہ

درپس آئینہ طوطی صفتہ دانشمند اپنے استاد ازل گفت بہاں میگویم
 اس خصوص میں فقیر اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ صرف ترجمانی اور وہ بھی
 انہی کی قوت سے

وحدۃ الوجود:- اس کا فلفلی معنی ہے "ایک وجود اور اصطلاحاً
 اس کے دو معنے ہیں۔ ایک اصطلاح فلسفہ جس میں وجود کے معنی محققات
 ثنائیہ کے لئے جاتے ہیں، یعنی بمعنی تحقیق و ثبوت جو کہ خارج میں نہیں۔

دوسری اصطلاح صوفیہ جس میں وجود کا معنی ہے ”ہست“ جس کو ماہہ
الموجودیت کے معنی میں برتتے ہیں یعنی ایک ہی وجود کو تسلیم کر کے کثرت
خلق کو اس کے منظر پر سمجھتے ہیں اور یہی معنی مصطلح قوم ہے لہذا اسی
معنی کے اعتبار سے بحث کی جائے گی۔

دور بینانِ بارگاہِ الست پیش ازیں پے نہ بردہ اند کہ ہست
صوفیائے کرام چونکہ وجود کا معنی ہست اور ہستی لیتے ہیں لہذا
ہست حقیقی ہی کو یہ حضرات اللہ اور حق اور خدا کہتے ہیں اور چونکہ ہست
ثبوتی واحد ہی ہے اور ہستی کا ایک سے زائد ہونا عقلاً نقلاً بدامتہ محال
بھی اس لئے کہ ایک ہستی ختم ہوئے گی یا فنا ہو جائے گی تو دوسری ہستی کی
پیش ہوگی اور ظاہر ہے کہ ہستی کی تعریف یہی ہے کہ وہ باقی ہے
وربہ حدہ وحدۃ الوجود کہتے ہیں اور یہ معنی گویا وحدۃ لا شریک
ہے کا مرادف ہے اور بس۔ اسی کو اصطلاح قرآن میں ہویت کہتے
ہے۔ آیت ہویت بھی قرآن میں ایک ہی آئی ہے۔ ہوالاول والاخر
الظاہر والباطن وهو بکل شیء علیم یعنی وہی اول بھی ہے آخر
میں ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اور وہی ہر شے کو جانتا بھی (۲۷۔ رکوع ۱۷)
ناجیہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تشریح اس طرح فرماتے
ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْاَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَّ اَنْتَ الْاٰخِرُ
لَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَّ اَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَّ اَنْتَ
بَاطِنٌ فَلَيْسَ دُوْنَكَ شَيْءٌ یعنی اللہ! تو ہی اول ہے تجھ سے
والنور

پہلے کوئی شے نہیں اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی شے نہیں اور تو ہی ظاہر ہے تجھ پر فوق کوئی شے نہیں اور تو ہی باطن ہے تیرے سوا کوئی شے نہیں (مسلم عن ابی ہریرۃؓ)

اب رہا یہ کہ اس امر کی تفصیل کیا ہے یہی غور طلب ہے ورنہ اجمالاً کوئی مناقشہ نہیں۔ بات صرف یہ ہے کہ اس مسئلہ میں جن حضرات نے اپنی اپنی عقل سے طبع آزمائیاں کیں اختلاف رہا۔ اور جنہوں نے اپنے کشف سے کام لیا وہ اپنی اپنی یافت اور احوال قلبیہ کرتے گئے۔ یہ حضرات البتہ کامیاب رہے، چنانچہ ان کے پاس یہ مسئلہ واقعی ہونے کے علاوہ ذوقی اور وجدانی بھی ہے، لیکن جن حضرات نے کہ صرف ذہنی اور عقلی ریشہ دو انیاں کیں یا صرف تقلید سے کام لیا وہ مختلف ہے بعض نے محض حالی کہا، بعض نے محض قالی بعض سمجھے کہ یہ صرف منطقی چیز ہے اصلیت کچھ نہیں بعضے سمجھے خلاف شریعت ہے، بعض بولے الحاد ہے بعض نے کہہ دیا کہ کوئی چیز تو ہے، لیکن یہ باتوں سے سمجھ میں نہیں آتی، اور یہ ساری ذہنی کیفیات اور اپنی اپنی دماغی پرواز ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ بعض لوگ ایسے (بھی) ہیں کہ اللہ کے بارے میں بلا کسی علم (صحیح) اور ہدایت اور کتاب روشن کے جھگڑتے ہیں (پ۔ لقمان رکوع ۳)۔

حقیقت اگر پوچھو تو یہ مسئلہ ہے واقعی اور نفس الامری۔ ذرا نورالنور

اس کو کسی صحیح معیار پر پرکھنے کی البتہ ضرورت ہے۔ اور اپنے یہاں معیار ہے بھی صرف مطابقت کی ذرا سی دقت ہے۔ اور کوئی بڑی بات نہیں، وہ معیار کیا ہے؟

کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس معیار پر جانچنے کے متعلق خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر متاخرین کالمین نے بھی ارشاد فرمایا۔ چنانچہ حضرت سیدنا غوث اعظم محی الدین جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ”کہ جس حقیقت کی گواہی شریعت نہ دے وہ بیدینی ہے“ اسی طرح سیدنا خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ارشاد ہے اور یہی مسلک حضرت سیدنا شیخ اکبر محمد محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی..... جنہوں نے اس مسئلہ کو حسب الحکم حضور سرور کونین صلی اللہ وسلم کے مدون فرما کر شائع کیا۔ تو پھر جو حضرات اس کے خلاف اپنی طبعیتیں اور اپنے احوال اور اپنے مذاق پر جانچنا چاہیں گے لازمی اختلاف ہوگا اور لغزش۔ لہذا فقیر اس مسئلہ میں اپنی جانچ یہی کتاب و سنت پر رکھے گا اور اسی کی ترجمانی۔ اور کتاب و سنت کو صحابہ اور تابعین اور محققین کرام کے فہم پر۔ واللہ یقول الحق وھو یحیی السبیل ط اللہ ہی حق کہہ دیتا ہے اور وہی رہبر ہے۔ (پہ۔ احزاب ع ۱)

بعض حضرات اس مسئلہ کو صرف حالی کہتے ہیں، اگر حالی ہے تو پھر قال بیکار، حالانکہ کوئی حال اول تو بلا قال کے پیدا ہی نہیں ہوتا، اور پھر

اس میں تو بزرگانِ دین نے بہت کلام فرمایا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فقط قالی ہے۔ اگر قالی ہے تو کس کا قالی؟ اگر صرف بزرگوں کا قالی ہے تو اُن کے لئے ہے ہمارے لئے حجت نہیں۔ اگر اُن کا حال ہے تو اُن کے لئے ہے ہمارے لئے سند نہیں ہاں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قالی ہے اور بزرگانِ دین نے اُس کا اظہار فرمایا تو البتہ عین ایمان ہے۔ اگر اُن کا حال ہے اور بزرگانِ دین اُس سے مستفیض، تو قابلِ تقلید ہے اور لائقِ محبت۔

ہو شیار! محققین کے پاس یہ مسئلہ صرف ذوقی نہیں، وجدانی نہیں، حالی نہیں، بلکہ واقعی ہے جس کی کیفیات البتہ ذوقی بھی ہیں وجدانی بھی، حالی بھی ہیں کشفی بھی، نقیر کہتا ہے یہ مسئلہ ایمانی ہے اس کو ایمانیات سے دیکھنا اولیٰ بیہما الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ.... الخ اے ایمان والو! (پھر) اللہ ورسول پر ایمان لاؤ یعنی ایمانِ تقلید سے ایمانِ تحقیقی کی طرف بڑھو۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے چار اعتبار ہیں۔

دو عالم میں نہیں موجود و مشہود

حضرت شاہ کمالؒ

بجز ذات و صفات افعال و آیات

پہلا ذاتی :- یہ کہ وہ قائم اور موجود بذاتہ ہے، اگر اُس کو قائم اور موجود ذاتی نہ کہیں تو معدوم ماننا پڑے گا اور یہ کفر ہے اور محال۔ اللہ

ہمارے لئے زمین میں سب کچھ بنایا نہایت ہے لہذا انا چار حود لو اور
غیروں کو بھی مالک جانتا ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبر۔

یہی حال افعال میں بھی ہے۔ یہ کہ حق تعالیٰ کو فاعل مانتا ہے
اور خود کو بھی فاعل جانتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کے مجبور محض
ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ اور چونکہ مجبور محض بھی نہیں۔

”لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ“ اس کے لئے ہے جو کچھ اس نے کمایا
اور اسی پر جو کمایا ہے اور کُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ طہرچی جو کچھ کہ
وہ کماتا ہے اس پر رہن ہے نہایت ہے لہذا اضطراباً خود کو بھی فاعل
جانتا ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبر۔

یہی حال صفات میں بھی ہے: یہ کہ اس کو صفات کمال سے متصف
جانتا ہے اور خود کو بھی ان صفات میں شریک کر جاتا ہے گو مثلث کی
نفی کرتا ہے لیکن مشابہت میں برابر شریک ہے۔ اور ایسا نہ کیا جائے
تو بھی اس کے معطل محض ہونے کا اندیشہ ہے اور چونکہ معطل محض بھی
نہیں۔ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ہم نے اسے (یعنی انسان کو)
سننے والا اور دیکھنے والا بنایا نہایت ہے۔ لہذا ناگزیر طور پر شرک
فی المشابہت کر بیٹھتا ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبر۔

یہی حال ذات میں بھی ہے:- یہ کہ حق تعالیٰ کو بھی قائم اور

موجود جانتا ہے اور خود کو بھی۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو اس کے عدم محض ہونے کا اندیشہ ہے اور چونکہ وہ عدم محض بھی نہیں۔ کنتہا مواتا فاحیالکمرطہ تم مردہ (یعنی عدم اضافی) تھے ہم نے تمہیں زندہ کیا ثابت ہے۔ لہذا اطوعا و کرہا موجودیت میں بھی شریک ہو جاتا ہے اور اس کی حقیقت سے بے خبر۔

اور حقیقت یوں ہے

اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ملک کا اعتبار و اعتناء: هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَافِي الْأَرْضِ
 جَمِيعًا اُسى نے تمہارے لئے زمین میں سب کچھ بنایا ثابت ہونے کے وہی
 مالک حقیقی ہے۔ لَہُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا
 وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی اُسى کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ
 نیچے سے نیچے ہے اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے۔

یہی راز افعال میں بھی ہے کہ باوجود اس کے لئے افعال کا اعتبار
واقعہ بطور کتاب کل نفس بما کسبت رھینۃ ط ہر جی جو کچھ وہ
کرتا ہے اس پر گروہ ہے ثبات ہونے کے فاعل حقیقی وہی ہے۔ یَفْعَلُ
اللہ مَا یَشَاءُ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللہ یعنی بغیر
اللہ کے کسی کو قوت و طاقت (ذاتی) نہیں۔
یہی صفات کا بھی ستر ہے : یہ کہ باوجود اس کے لئے صفات کا

اعتبار واقعہ فَعَلْنَاهُ سَمِعْنَاهُ بِصِيْرًا ہم نے اُس کو (یعنی انسانوں کو) مننے والا اور دیکھنے والا بنایا ثابت ہونے کے وہی متصف بہ صفاتِ کمال ہے۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ وہی سنا دیکھتا ہے۔ لَئِيْلَ الْأَسْمَاءِ الْحُسْنَىٰ اور اسی کے لئے بہترین نام ہیں۔

یہی حال ذات میں بھی ہے کہ باوجود اُس کے لئے ذات کا اعتبار واقعہ كُنْتُمْ أَمْوًا قَافًا حَيًّا كُتُمُوه (یعنی عدم اضافی) تھے ہم نے تمہیں جلایا ثابت ہونے کے وہی قائم اور موجود ذاتی ہے۔ اَللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ هُوَ الْأَوَّلُ دَلَّ الْخَيْرَ وَالنَّظَّاهُ وَالْمُطَهِّرُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اَللّٰهُ ہی ہے اُس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے زندہ اور (ہمیشہ) قائم یعنی موجود رہنے والا ہے وہی اول ہے اور آخر کا نام ہے اور باطن اور وہی ہر شے کو جانتا رہی ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس کی ذات کے لئے شمار افعال صفات وجود ثابت میں مگر سب اضافی اور اسی طرح جیسے اُس کے لئے حقیقت ذات ثابت ہے ویسے حقایق عالم بھی ثابت ہیں۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَللّٰهُ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور ہی ہر شے پر کارساز ہے

لہ ۱۹ الدہریہ ع۔ ۱۰۰ ۱۰۰ شوری ع۔ ۲۳ ۲۳ پ۲ حشر ع۔ ۴۔ ۴ پ۲ البقرہ ع۔ ۳۰ ۳۰ پ۲ البقرہ ع۔ ۷۰ ۷۰ پ۲ حدید ع۔ ۱۰۰ ۱۰۰ پ۲ الزمر ع۔ ۶

اب یہاں یہ بات معلوم ہوگئی کہ کونین کی ذات بھی باوجود اس کے واقعی ہونے کے اضافی ہے لیکن یہ تحقیق کہ حقیقت عالم کیا ہے اور اس کے ظہور کا راز کیا ہے باقی ہے جسے ”سہر تخلیق“ کہئے۔ اور اسی میں لغزش کا بھی اندیشہ ہے مگر ہاں! جبکہ علم خدا اور رسول کو معیار بنالیا جائے تو پھر بفضلہ کوئی اندیشہ نہیں۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ
 اللہ ہی حق کہتا ہے اور وہی رہبر ہے۔

حقیقت عالم

اصطلاح صوفیہ میں حقیقت عالم ”اعیان ثابتہ“ ہے جس کو ”صور علمیہ“ بھی کہتے ہیں، یعنی وہ صورتیں جو علم حق میں ازل سے ثابت ہیں۔ کتاب اللہ کی رو سے ان کا نام ”معلومات الہیہ“ ہے وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ اور وہ ہر شے کو جانتا ہے۔ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ وہی بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ اور وہی ساری مخلوق کو جانتا ہے۔

خبردار بعض حضرات حقیقت عالم اور حقیقت حق تعالیٰ کو ماضیہ اور ذاتاً ایک ٹھہراتے ہیں۔ یہ بہت بڑی لغزش ہے اور الحساد ہاں اگر از روئے ظہور کے وجود عالم اور وجود حق تعالیٰ کی حقیقت ایک بتائی جائے

درست ہے اور محققین کا یہی منشا بھی ہے ورنہ ہمیشہ عین کہا جائے تو
تبعیجا بات ہے اور خطا، کیونکہ حقیقت حق وجود محض ہے اور
نت عالم عدم ثابتہ یہ محتاج وجود ہے وہ قائم بالوجود ایک کیسے ہو سکے؟
مَبْحَاثُ اللَّهِ عَمَّا يَصِفُونَ ۵

اب رہا اس کے ظہور کا راز۔ یہی ایک بڑی چیز ہے جس کو طلب ہو
تیخ کامل مکمل اور محقق سے حسب مطابقت قرآنی بلا تاویل اس کی
حق کر لے اس لئے کہ اکثروں کو اسی مقام پر لغزش ہو جایا کرتی ہے۔
اس مختصر رسالہ میں مطابقت قرآنی کے اعتبار سے اسے بھی
بیان کریں گے۔ لیکن پھر بھی گنجائش تفصیلی کا یہ مقام نہیں، کیونکہ اس میں
لب بات ایک تو یہ ہے کہ جبکہ حقیقت عالم معلومات الہیہ
عدم اضافی ٹھہری تو پھر اس کا ظاہر یا موجود ہونا کیسا؟ اور ظاہر
لہ وہ موجود نہ ہو تو ارسال رسل وانزال کتب کس پر؟ حالانکہ ہُوَ الَّذِي
سَلَّمَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ لَہٗ عَلٰی
نٰوْنِ کُلِّہٖ ذٰکِرًا لِّلْمَشْرِکُوْنَ ط اسی نے ہدایت کے لئے رسول
بجا اور دین حق، تاکہ (یہ دین) سارے دینوں پر غالب ہو جائے اگرچہ
لوں کو برا (کیوں نہ) معلوم ہو، ثابت ہے۔ دوسرے یہ کہ جبکہ حقیقت
وجود محض ٹھہری تو پھر سب وہی ٹھہرے گا، اور ظاہر ہے
یسا اگر ہو جائے تو لغو ذبا اللہ حقایت کا منقلب ہونا
خلق کا حق بننا لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ محال ہے اور کفر

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا
تُوجِعُونَ ہ پس کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم کو فضول اور بیکار
ہم نے بنایا اور تم ہماری طرف نہیں پلٹو گے

لہذا اب یہاں ایسی بات معلوم ہونی چاہئے کہ باوجود معدومیت کے خلق کی موجودیت بھی ثابت ہو جائے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا طِبَاطُطًا ۖ وَرَبُّنَا لَازِمٌ لَّهُ شَيْءٌ مُّشْهِدٌ ط

(اُن کو) بیکار نہیں بنایا۔۔۔ اور پھر اس کی موجودیت سے موجودیت الہیہ میں انقلاب بھی لازم نہ آئے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ط

تحقیق اللہ شے پر حاضر (یعنی موجود) ہے۔ اور اسی طرح باوجود موجودیت الہیہ کے عالم کی موجودیت وجود الہیہ سے ظہور پائے۔ اللّٰهُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اور پھر اوصاف اس کے اُس کی عدمیت اضافیہ میں انقلاب ماہیت بھی نہ ہو یعنی موجود معدوم اور معدوم موجود نہ ہو جائے۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ط اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔

غرض ان تمام باتوں کو مد نظر رکھ کر ”سٹر ظہور“ کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ تاکہ امر و انتہی جوں کا توں ذہن میں بیٹھ جائے۔

سٹر ظہور محققین صوفیہ اپنی اصطلاح میں اجمالاً یہ فرماتے ہیں۔

کہ ”تمام عالم کا ظہور حق تعالیٰ کے نفسِ حسانی کی تجلی سے واقع ہو رہا ہے اور اس تجلیِ رحمانی سے سارے ممدوماتِ اضافی، موجوداتِ اضافی ہوتے چلے جا رہے ہیں اور پھر اُس کے ایسا تجلی کرنے سے اُس کی تنہا یہ ذاتی میں بھی کوئی فرق نہیں آتا“ اور اس کی بڑی تفصیل فرمائی۔ جن کو ضرورت ہو ان کی کتب میں ملاحظہ کر لیں۔

مطابقت قرآنی

علم قرآنی میں اس کا بیان اس قسم سے معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتِ عالم ”معلوماتِ الہیہ“ ہے اور ان معلومات کی ذاتی صفت فقر و احتیاج۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمْ أَفْقَرُ إِلَيَّ وَاللَّهُ مَنَّ عَلَيْنَا** لَعَنَى الْحَمِيدُ ط لوگو! تم سب فقیر ہو اور اللہ ہی غنی ہے۔ مہرا ہا گیا۔ اور چونکہ مستی سے بڑھ کر کوئی فقیر نہیں ہو سکتا، لہذا یہ محتاج و جوہیں اور جبکہ ان کو وجود عطا ہو گا ان کا نام مخلوقات ہو جائے گا۔

اسی طرح اُن کی وجود بخشی کے بھی دو اغتبار ہیں

ایک تو یہ کہ **وَاِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَا اَرَدْنَا اَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ** ط اور ہمارا قول فقط یہ کہ جب ہم کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرتے ہیں تو اُس شے کو ”ہو“ کہتے ہیں (وہ) ہو جاتی ہے۔ (پہلا نخل۔ ص ۵)

دوسرے کہ **وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ مَا لَا اَرْضٌ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا**

بہا الحق واجبِ مُستقیم اور نہیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو، اور جو
 کچھ ان میں ہے مگر ساتھ حق کے اور ایک مدت تک۔ پہلے اعتبار میں
 یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شے جس کو ”معلوم“ کہتے ہیں۔ دوسرا اس کا
 خالق جو کہ ”اَرَدْنَا“ کا مرجع ہے۔ تیسرا ”کُنْ“ جس کا آمر خالق ہے۔
 چوتھے ”فَیَكُونُ“ یعنی اُس شے کا ہو جانا۔ مطلب یہ کہ شے معلوم پر
 ”کُنْ“ کا امر ہوتے ہی ”فَیَكُونُ“ یعنی مخلوق بن گئی۔ لیکن کیسے بنی ؟
 اور کس چیز سے بنی ؟ یہ بات اب بھی مجھول رہ گئی۔۔۔۔۔ مگر اتنا یاد رہے
 کہ لفظ ”کُنْ“ امر وجودی یا ظہوری ہے۔

علمائے ظواہر یہاں ”قدرت سے بن گئی“ کہنے کے سوا اور کچھ
 نہیں بتاتے گول ہو جاتے ہیں، لیکن ویسے ہی غور و فکر کرنے سے یہ معلوم
 ہوتا ہے کہ یہ بات اہل فکر اور اہل طلب کی فکر اور طلب پر چھوڑ
 دی گئی ہے۔ کیونکہ بات بڑی ہے۔۔۔۔۔ بلا طلب صادق کیسے بتائی
 جاتی۔ اب رہا یہ کہ اس کاراز بھی کسی کو معلوم ہوا یا نہیں، تو یہ سمجھنا
 چاہئے کہ چونکہ صحابہ کرام ہر بات کی تحقیق کیا کرتے تھے، ان میں سے پوچھنے
 والوں نے پوچھا بھی، معلوم بھی کیا، اور پھر اور، اور طاب لبین
 کو یہ ہو نچا بھی دیا، چنانچہ ہی ایک چیز مطابقتاً پوشیدہ چلی آتی ہے۔
 دوسرے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ :- نہیں بنایا ہم نے آسمانوں کو اور زمین
 کو اور جو کچھ ان میں ہے، مگر ساتھ حق کے ”تو اس میں ایک بڑی بات
 معلوم ہوتی ہے۔ اگر غور کیجئے تو کچھ وضاحت کا بھی پتہ چلتا ہے۔
 نور النور

اور تخلیقِ عالم کا راز ہاتھ آتا ہے: یعنی یہ کہ عالم حق کے ساتھ بنا ہے۔ اور
 پھر یہ کہ ایسا ہونے سے عالم خود حق نہیں بنا، ورنہ ”إِلَّا الْحَقُّ“ یعنی
 (عالم) حق ہی بنا گا جملہ ہوتا۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق سے
 جدا اور منفک بھی نہیں، ورنہ بغیر الحق، یعنی بغیر حق کے بنا گا
 جملہ ہوتا۔ اور یہاں تو ”إِلَّا بِالْحَقِّ“ یعنی حق کے ساتھ ہی بنا گا جملہ ہے۔
 واضح ہو کہ اہل ظاہر ”بالحق“ سے ”بالحکمت کا معنی لیتے ہیں جس
 میں پھر وہی بات رہ جاتی ہے کہ حکمت کیا؟ ہم چونکہ بلاتاویل اور
 واقعی طور پر معنی کر رہے ہیں اور عقائد قرآنی کی مطابقت لہذا
 از روئے امرایہاں ظاہری اور باطنی دونوں معنوں کی مطابقت
 ہوگی (إِنَّا اللہ تعالیٰ)

الغرض اب کچھ مضمون قریب قریب آٹو گیا... لیکن پھر بھی
 یہاں یہ بات رہ گئی کہ حق کیا ہے؟ اور وہ کس طرح عالم کے ساتھ ہے
 اور کیسے عالم کی تخلیق حق کے ساتھ ہوئی؟ کیونکہ عالم حق نہیں بنا
 اور حق عالم نہیں بنا، پھر باہم معیت بھی ہے۔ تو یہ ہے کس طرح...؟
 اس کے متعلق یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ”حق کیا ہے؟“ کی نسبت
 الرَّحْمٰنُ فَاَسْئَلُ بِہِ خَبِیْرًا ظِہُ حَقِّ تَعَالٰی کے متعلق کچھ پوچھنا
 ہوتا پوچھو کسی باخبر (عارف) سے، ”کا حکم ہے“ اور ظاہر ہے کہ جب حق
 کائناتہ چل جائے گا تو وہ باخبر عالم کے بالحق ہونے کو بھی بتلا دیگا، اور
 کس طرح عالم کی تخلیق حق تعالیٰ کے ساتھ ہوئی یہ بھی بتلا دے گا۔

یہ ہے اصل بات اور ہوا بھی ایسا ہی۔ اور یوں ہی ہوتا بھی جائے گا اس سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلہ کو جن اصحاب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا انھیں البتہ معلوم ہوا اور اسی طرح یہ نسبت جاری رکھی گئی اور جاری ہے بھی، قولہ تعالیٰ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ط اللہ کی سنت کو تم ہرگز نہ پاؤ گے۔ اور اس کے علاوہ اس کی موید کئی حدیثیں بھی ہیں۔ ایک تو خدا کے متعلق دوسری عالم کے متعلق، چنانچہ ایک اعرابی سوال کرتا ہے۔ اَیْسَنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ اَنْ يَخْلُقَ الْخَلْقَ ط یعنی ہمارا رب اس مخلوق کو بنانے کے قبل کہاں تھا؟ حضور فرماتے ہیں۔ كَانَ فِي عِلَیِّ مَآخُوذَهٗ هُوَ اَوْ مَا تَحْتَهٗ هُوَ اَوْ یعنی وہ ایک باریک ایر میں تھا جس کے اوپر ہوا تھی نیچے۔ دوسرے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں۔ كَانَ اِلَلُّهُ وَكَهْرَبُکُمْ مَعَهُ شَيْءٌ ۝ یعنی اللہ تعالیٰ ہی تھا اور کوئی شے اس کے ساتھ نہ تھی۔

تیسرے مخاطبت میں حضور کا یہ ارشاد اَللّٰهُمَّ اَنْتَ قَیُّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِیْهِنَّ ذٰلِكَ الْحَمْدُ ط اَللّٰهُمَّ اَنْتَ مَلِکُ الْاَرْضِ وَمَنْ فِیْهِنَّ ذٰلِكَ الْحَمْدُ ط اے اللہ تو ہی آسمانوں اور زمین کا اور جتنی چیزیں ان میں ہیں (ان) سب کا نور ہے اور تیرے ہی لئے ساری تعریف ہے اور تو ہی سارے آسمانوں اور زمین کا قائم (یعنی موجد) نور النور

کرنے والا ہے اور (اُن) سب چیزوں کا جتنی کہ اُن میں ہیں اور ساری تعریف تیرے لئے ہی ہے۔ اور تو ہی آسمانوں اور زمین اور ان میں کی ساری چیزوں کا مالک ہے اور ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے اور بس۔

ان حدیثوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کے متعلق آپ سے جس طرح پوچھا گیا اسی طرح اس کی دریافت کسی رہبر سے جائز اور اس کا جواب بھی ثابت اور پھر ایسی باتوں میں اصطلاح کا ہونا بھی ثابت کیونکہ ”علاء“ کا حال اچھی تک علماء ظاہر سے پوشیدہ ہے اس لئے کہ یہ ایک اصطلاح شریعی ہے یعنی ایسا ابر رقیق کہ جس کے اوپر بھی ہوا نہیں اور نیچے بھی ہوا نہیں ایک خاص کمر ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث میں بھی امرار ہیں اور تیسری حدیث میں بھی۔ یعنی یہ کہ آسمانوں اور زمین اور ان میں کی ساری چیزوں کا نور اللہ ہی ہے تو گویا ساری چیزوں کا نور الہی سے ظاہر ہونا ثابت یا وجود اس کے آسمان و زمین وغیرہ نور نہیں بن گئے۔

اس طرح پیدائش خلق کی نسبت صرف یہ ایک حدیث پر غور کرو تو اور بھی مسئلہ صاف ہو جائے گا اگر چیکہ اسی قسم کی اور بھی صحیح حدیثیں ہیں جو بخوف طوالت درج نہیں کی گئیں۔

حدیث: اَنَا مِنْ نُّوْرِ اِلٰہِ وَ اَخْلَقْتُ كُلَّهُمْ مِنْ نُّوْرِیْ میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے (طبرانی)

نور کے دو معنی ہیں : ایک بمعنی صفت، دوسرے بمعنی ذات اپنے
 اپنے محل اور موقع کے اعتبار میں پانچہ ”من نور اللہ“ میں صفت کا
 اعتبار ہے تو نص میں ذات کا :- اللہ نُور السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
 الخ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اب اس پر بھی کوئی
 تاویل کرے تو کیا کرے محققین کا مذہب تاویل نہیں سمجھ میں نہ آئے تو کسی
 باخبر سے پوچھ لو اور خبردار! کہیں تاویل میں پڑ کر باخبر ہی کا انکار
 نہ کر بیٹھنا۔ ورنہ آیت کی قطعیت ہی کو کھود دو گے۔

غرض ان سب چیزوں سے یہ ثابت ہوا کہ حقیقت خلق من حیث
 الماہیۃ باعتبار باطن معلومیّت ہے اور باعتبار ظاہر من حیث
 الوجود ظلمت، مگر ہاں باطلت محض نہیں بلکہ وہ ظلمت جس میں قبول نور
 کی قابلیت ہے، یعنی باطن میں عالم کے علم میں متمیز ہے تو ظاہر میں اس کے
 نور (یعنی وجود) سے ظاہر اور جیسے کہ باطن بلا عالم کے معلومات
 کو ثبوت نہیں دے لیسے ظاہر میں بلا نور (یعنی بلا وجود) عالم کے
 ان کا ظہور نہیں۔

لہذا اب ذرا اس ذات معلوم کو دیکھنا چاہئے کہ آیا وہ معلوم
 ہے کہاں؟ اور اس میں کیا کیا ہے؟ اور کس کی کیا چیزیں ہیں؟ تو
 بعد جو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہی معلوم اب مخلوق ہے اور اسی عالم میں
 ہے اور اس کی ذات میں بہت سی چیزیں ہیں اور وہ بہت سی
 چیزوں کا آئینہ بنا ہوا ہے۔

چنانچہ: ایک تو اس میں ملکیت ہے یعنی وہ کئی چیزوں کا مالک
 ہے دوسری فعلیت ہے یعنی اس کو بہت سے کاموں کی قوت بھی حاصل
 ہے۔ تیسری وصفیت، یعنی وہ کئی صفات الہیہ سے موصوف بھی ہے۔
 زندگی ہے علم ہے ارادہ ہے قدرت ہے (یعنی طاقت) سماعت
 ہے بصارت ہے کلام ہے..... وغیرہ جو تحفے موجودیت
 یعنی اس میں اعتبار مستی ہے اور انیت بھی۔ اے سجان اللہ! پھر
 تو ذرا اب اسی کو تحقیق کر لیجئے بات صاف ہو جائے گی راز کھل
 جائے گا، یعنی یہ اعتبارات جو اس میں ہیں اسی کی جانچ کیجئے کہ آیا اس
 کے ہیں یا کسی کے متعار، اگر اس کے ذاتی ہیں تو یہ اعتبارات اطلاقی
 ہونے چاہئیں اور ازلی اور پھر اس کی ذات بھی تغیر و تبدل سے
 بری ہونی چاہئے اور قدیمی اور ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ تو پھر معلوم ہوا
 کہ یہ ساری چیزیں جو کہ اس میں ہیں 'متعار ہیں' اور اس کی سند بھی صاف
 ہے، یعنی جس نے کہ دیا ہے وہی فرما رہا ہے: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ
 وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (یعنی اللہ ہی سب چیزوں کا خالق
 ہے اور وہی ہر چیز پر کار ساز ہے) تو پھر اس میں کہ یہ اعتبارات بھی
 اُسی کے ذاتی ہوئے۔ اور اطلاقی۔ لہذا اس سے بڑھکر سچا کون؟ ومن
 اَصْدَقَ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ط
 اب یہاں دیا کیسے؟ تو وہ رحمن ہے ۛ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا أَوْسَىٰ فِي زَمَانٍ مِّن تَهَارَةٍ لِّسَبِّ كَيْفَ بَدَأَ الْكَلْبَ الْمَلِكُ
 مَحْيَا ثَابِتٌ... وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ط اللَّهُ نے تمہیں بنایا ہے
 اور تمہارے اعمال کو بھی تو افعال میں اختیار دینا یعنی فعلیت بھی ثابت
 اَنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ بَتَّلَيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا۔
 تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو طے ہوئے نطفہ سے آزمائش کیا چلتے میں ہم
 اُس کو پس کیا ہم نے اس کو سننے والا دیکھنے والا۔ گویا وصفت بھی ثابت۔
 وَلَكُم مَّا أَوَّاخَا حَيَاكُم ط تم میت یعنی عدم اضافی تھے تمہیں زندہ
 کیا۔ گویا موجودیت یعنی اعتبارِ مستی بھی ثابت۔

ماشاء اللہ اب تو کچھ اور سی بات نکل آئی یہ تو ساری چیزیں اُسی
 کی ہیں گویا معلوم ہوتا ہے کہ اُسی کے سر و سامان سے یہ حضرت معلوم موجود ہوئے
 ہیں چنانچہ ہم کو دیکھو تو اس پر خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ تَتَوَّهِنُ لُطْفَةٍ ط
 تم کو پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے بنایا کا قبضہ ہے۔ دل کو دیکھو تو اس پر
 وَجَعَلْ لَّكُمْ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ اور بنائے ہم نے
 تمہارے لئے کان آنکھ اور دل بھی کا چھاپہ ہے روح کو دیکھو تو اس
 پر وَفَعَحْتُمْ فِيهِ مِن دُوحِي ط اور پھول کی پتی نے اپنی روح سے کا
 اثر ہے اللہ اللہ کیا بات ہے! نام اس کا سامان سارا اُس کا... سُبْحَانَ
 اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ۔

مگر ہاں! اب یہ دیکھئے کہ یہ سب کچھ دیکر کہیں غلغلوہ وہ بیٹھ گئے؟

... نہیں یہ بھی نہیں اس لئے کہ دُھومِ محکم اِنِ ناکُنْتُمْ ط تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے الگ کیسے ہوتے! اچھا تو پھر یہ سب کچھ عطا کرنے سے اُن کے پاس کچھ کمی نہیں ہوئی؟ نہیں نہیں۔ تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ یہی بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں سارا ملک ہے اور وہ ساری چیزوں پر کاملِ قدرت رکھتا ہے۔ اور پھر ذرا آفتاب کو نہ دیکھئے حالانکہ وہ اُسکی کے نور سے ایک ذرا سا مستفیض ہے کیسے سارے جہان کو منور کرتا ہے! پھر کیا اُس کے نور میں کچھ کمی ہو گئی؟ اور وہ تو پھر اَلْاَنَ لَكُمَا كَانَ ہے۔

اب رہی ایک بات یہ بھی جو دل میں گزیر رہی ہے کہ آخر پھر وہ معلوم ہو کیا گیا؟ کیا وہی تو نہیں ہو گیا؟ استغفر اللہ! یہ کیسے ہو سکتا ہے نورِ آفتاب سے سارے ذات اور درو دیوار منور ہو جاتے ہیں تو کیا آفتاب ہو جاتے ہیں؟ ہاں یہ ممکن ہے کہ آفتاب نما ہو جائیں اور نور اُن میں اضافی ہو۔

بات یہ ہے کہ وہی اپنی ذات، وصفات و افعال و آثار کی تجلی سے ذات معلوم کو خود میں لا رہا ہے کیونکہ اس میں جو مستی ہے اسی کی ذات کا پرتو ہے۔ اس میں جو صفات ہیں اُسی کے صفات کا پرتو ہیں اس میں جو افعال ہیں اُسی کے افعال کا پرتو ہیں۔ اس میں جو آثار ہیں اُسی کے آثار کا عکس۔۔۔۔۔ گویا ذات معلوم کی صورت سے باعتبارِ نور بہ حسب اقتضاء و اعتبارات معلوم وہی متجلی و متمثل ہے۔ لیکن اس طرح کہ

اس تجلی اور تمثیل سے ذات معلوم، ذات تجلی (وتمثل) ہوئی نہ ذات تجلی
من حیث الذات ذات معلوم نجی۔ اگرچہ کہ ظہور اس ذات معلوم کا بلا اس کے
محال ہے۔

اب یہاں مسئلہ تنزیہ اور تشبیہ کو بھی ملاحظہ فرمائیے کہ کیسے ذات معلوم
کے اعتبارات و اقتضائے ساتھ ذات حق نے تجلی کی اور تمثیل لیا۔ جس
کی وجہ سے تشبیہ پیدا ہوئی، لیکن باوجود اس تشبیہ کے اس کی تنزیہ ذاتی
میں کوئی فرق نہیں آیا حالانکہ تشبیہ عین تنزیہ اور تنزیہ عین تشبیہ
یعنی باوصف منزہ ہونے کے عین مشبہ بہ ہے، اور باوصف مشبہ ہونے
کے منزہ۔

یہ اس لئے کہ مشبہ بہ یعنی جس کی کہ اس نے تشبیہ لی تھی اس کے
اقتضات اور اس کے اعتبارات کو وہ دکھلانے والا ہوا وہ نہیں ہوا کیونکہ
صفت تشبیہ اس کی معلوم نمائی کے اعتبار کا نام ہے جس سے ظاہر ہے کہ
اس کی تنزیہ میں فرق نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس کی تفصیل یہ ہے۔

جب تم سارے عالم اور مافی السّموات وَمَافِی الْأَرْضِ کو دیکھو
تو کیا بالقوہ اور کیا بالفعل کیا پاؤ گے؟ مستی اور قیام پاؤ گے، صفات پاؤ گے
افعال پاؤ گے، آثار پاؤ گے۔ مثلاً آفاق میں مستی کا اعتبار تو وہ ہر ذرہ ہی
میں بالفعل ہے اور باقی اعتبارات کسی میں کچھ بالقوہ تو کچھ بالفعل
جیسے نباتات میں نمو اور حرکت، بالیدگی، تاثیرات، حیوانات
میں حرکات و سکونات اور بعض دوسرے صفات، اس کے سوا سب بالقوہ نفس
ذوالنور

میں بالفصل چنانچہ خود کو دیکھو! تو ہم موجود اور قائم ہیں یعنی ہم میں ہستی
 اور ایتبہ حیات اور علم وغیرہ یعنی وصفیت ہے، حرکات و جنبش یعنی
 فعلیت ہے۔ حکومت و مالکیت یعنی آثار ہیں۔ تو اب دیکھو! یہ ساری چیزیں
 حق تعالیٰ کی ہیں اور اسی کی پوری پوری مشابہت اور پھر یہ بھی ظاہر
 ہے کہ اس سے یہ چیزیں منفک ہو نہیں سکتیں کسی اعتبار سے بھی کیونکہ
 یہ چیزیں اس کی ذاتی ہیں اور ہمارے حق میں اضافی۔ اور پھر
 بار وصف اس کے بھی ظاہر ہے کہ ہم یا عالم وہ نہیں ہیں نہ ہو سکتے ہیں کیونکہ
 صرف ہم اس کے مشابہ ہیں مثل نہیں۔ اب یہی بات کہ اس مشابہت
 کا راز کیا ہے؟ تو اس کا راز یہ ہی ہے کہ بلا اس کی مشابہت صورتی
 کے عالم کا ظہور نہیں ہو سکتا اور یہ بات طوعاً و کرہاً ماننی ہی پڑتی ہے اور
 پھر اس میں حلول و اتحاد کا شائبہ بھی نہیں اور کیسے ہوگا؟ وہ فرض
 عقلی اور یہ امر واقعی۔ چنانچہ یہ ظاہر ہے کہ کسی کو بھی ان باتوں کے
 معلوم ہونے کے بعد حق کے خلق اور خلق کے حق ہونے کا وہم و گمان تک
 نہیں ہوتا۔ یہی توجہ ہے کہ یہ زبردست مسئلہ قرآنی ہے اور حق
 واقعی۔

اور اب یہاں سے اس تمثیل اور تجلی کا راز بھی قرآن سے
 یہی نوا جو کہ صلی علیہ السلام کو بصورتِ نابھی تھی یعنی موسیٰ علیہ السلام
 کہ جبکہ آگ دکھائی دی اور وہ اس کی طرف بڑھے تو اس میں سے آواز
 آئی یا موسیٰ... اِنَّ اِنَّا اللّٰهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (پہلے - نمل - ع ۱۰)
 نزل النور

اے موسیٰ! میں وہی اللہ ہوں غالب حکمت والا..... اور ظاہر ہے کہ آگ مخلوق ہے اس میں یہ بت کہاں؟ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ بصورت آتش حق تعالیٰ ہی وہاں متجلی تھا، اور پھر اسی پر نہ غور کرو کہ خود موسیٰ علیہ السلام نے بھی اول، اول دور سے آگ ہی کا خیال کیا نزدیک چھو پئے تو چونکہ نورِ نبوت حاصل تھا تصدیق کر لی اور آگ لینے کا خیال دور کیا۔ اور سمجھ گئے کہ وہی بصورتِ نار متجلی ہے ورنہ یہ حضرت کب اس کو روار کھتے۔

واضح ہو کہ اس واقعہ سے از روئے نص یہ بات کہ حق تعالیٰ کا ظہور حادث کی صورت سے اس دنیا میں واقع ہو سکتا ہے، صراحتاً ثابت ہو گئی اور اس کو تجلیِ تشبیہی ظہوری کہئے۔ چنانچہ یہی راز تھا کہ اس کے دیکھنے سے موسیٰ علیہ السلام کو غش آیا نہ یہ ہوش ہوئے۔ اور جس تجلی سے کہ یہ ہوش ہو گئے تھے اس کا راز یہ ہے کہ وہ تجلی تنزیہی نورِ حق تھی، اگرچہ کہ اسے بھی من وجہ تشبیہی کہئے، لیکن چونکہ وہ تشبیہ اس کی صفت نور کی تھی لہذا اس کو تنزیہی نور ہی کہئے کیونکہ وہ کسی صورتِ خلق یا صفتِ خلق سے مشبہ نہ تھی۔ چنانچہ یہی وجہ ان کے تاب نہ لانے کی تھی ورنہ اس تجلیِ تشبیہی ظہوری سے تو انھیں کچھ بھی نہ ہوا۔ بلکہ اگر یہ نبیؑ نہ ہوتے تو گوگو میں بڑ کر تسلیم ہی نہ کرتے، کچھ اور خیال کر کے وہاں سے ہوا ہو جاتے۔ علاوہ اس کے اس بات کا ثبوت کہ ظہورِ قدیم کا حادث کی صورت سے اسی دنیا ہی میں ہو سکتا ہے احادیث سے بھی ثابت ہے۔

نور النور غ ۳۱۲

چنانچہ ایک تو یہ حدیث :- (واضح ہو کہ ہم نے یہاں یہ حدیث جسے بیان کریں گے اور دوسری حدیث جو اس کے بعد آئے گی ان دونوں کو معہ ترجمہ و فوائد کے جو حضرت مولانا شرف علی صاحب ساکن تھانہ بھون نے فرمایا ہے :- بحسنہ نقل کر دیا ہے)۔

”عن ابی ہریرۃ: قال ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 ”قال اذا قضی اللہ تعالیٰ الامر فی السماء ضربت الملائکۃ
 ”علیہم السلام باجنحتہا خضعا فاقولہ کانہ علی سلسلۃ
 ”علی الصفوان ط (اخریہ البخاری)“

”حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 ”نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا (فرشتوں)
 ”کو حکم فرماتا ہے تو فرشتے اس کی بات سننے کے وقت عاجزانہ
 ”اپنے بازو جھکا دیتے ہیں اور وہ بات ایسی ہوتی ہے کہ جیسے
 ”کسی پتھر پر زنجیر کو کھینچا جائے (اور اس میں آواز پیدا ہو)
 ”روایت کیا اس کو بخاری نے (تیسیر کلکتہ صفحہ ۷۳)“

”ف مسئلہ: ظہور قدیم در صورت حادث: یہ ظاہر ہے کہ اللہ
 ”تعالیٰ کا کلام قدیم ہے اور صورت سلسلہ علی الصفوان حادث
 ”ہے پس کلام قدیم کا ظہور میں مشابہ صورت حادث کے
 ”ہونا ثابت جو حدیث میں آیا ہے اس سے وہ امر ثابت ہوا
 ”جو اکثر بزرگوں کے کلام میں مذکور پایا جاتا ہے کہ ذات قدیم نے“

”کائنات حادثہ میں ظہور فرمایا کبھی تجلی مثالی سے تعبیر
 ”کرتے ہیں اور حقیقت اس ظہور و تجلی کی نہ احتمال ہے نہ حلول“
 ”ہے نہ اتحاد ہے یہ سب مستحکات عقلیہ و نقلیہ ہیں۔ بلکہ ایجاد“
 ”ہے ایک امر کا جو باعتبار بعض اوصاف کے اس قدیم کے مشابہ“
 ”ہے جس سے وہ حادث اس قدیم کا ان اوصاف کے لحاظ“
 ”سے کاشف ہو جاتا ہے اور اس حادث کو صورت اور امثال“
 ”بھی کہا جاتا ہے۔ حدیث میں جو روایت دہلی فی احسن صورتہ“
 ”آی ہے اس کا یہ محمل ہو سکتا ہے۔ اور تشبیہ خود آیت نور میں“
 ”ثابت ہے خوب سمجھ لو آکشف رسالہ حقیقتہ المتصوف“
 صفحہ ۳۲۰

”دوسری یہ حدیث :- ”عن ابن عباس قال قال رسول“
 ”اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتانی الیلۃ ات من دلی“
 ”وفی وہایۃ اتانی دہلی فی احسن صورتہ۔ الحدیث“
 ”اخرجه الترمذی۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے“
 ”کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”آج شب کو“
 ”میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنیوالا آیا اور ایک“
 ”روایت میں ہے کہ ”میرا رب میرے پاس ایک اچھی صورت“
 ”میں آیا روایت کیا اس کو ترمذی نے تفسیر صفحہ ۳۷۵“
 ”فی توجیہ تجلی و خلق بلا حلول و معنی اتحاد۔ صوفیہ کے“

”کلام میں ان دو مسئلوں کے عنوان تعبیری میں یہ دو اصطلاحیں“
 ”پائی جاتی ہیں۔ حقیقت اول کی یہ ہے۔ کہ حق تعالیٰ بلا حلول“
 ”اپنی ذات و صفات کا خلق میں ظہور فرماتے ہیں۔ جس طرح“
 ”کاتب کا ظہور مکتوب میں اور منظم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے“
 ”اس خلق منظر اور حق ظاہر ہے اور ثانی کی حقیقت یہ ہے“
 ”کہ فی ہر منظر میں ایسا شدید تعلق ہے کہ منظر سے انفکاک“
 ”ظاہر کا محال ہے۔ سو مسئلے دونوں عقلی ہیں مگر عنوان تعبیری“
 ”کسی قدر روشن ہو جاتا ہے لیکن بعد و خروج مراد کے ایسے“
 ”اصطلاحات کی گنجائش خود حدیث میں تامل کرنے سے معلوم“
 ”ہو سکتی ہے۔ چنانچہ فی احسن صورتہ اصطلاح اول کی“
 ”نظیر ہے اور دایت من ربی کو ربی کہہ کر دینا اصطلاح ثانی“
 ”کی نظیر ہے۔ اور اگر من تجریدی ہو تو خود فی احسن صورتہ“
 ”اس ثانی کا بھی ماخذ ہو سکتا ہے کیونکہ اس صورتہ معائنہ“
 ”کے تلبس سے غیر ذی صورتہ کو ذی صورتہ کہنا لازم آیا اس“
 ”ذی صورتہ اور غیر ذی صورتہ میں اسی طرح استدلال ہو سکتا“
 ”ہے المیتہ تجلی و اتحاد کو معنی عرضی و لغوی پر محمول کہ ناجائز“
 ”ہیں۔ جیسا کہ عوام جہلا اس سے اپنے عقائد خراب“
 ”کر لیتے ہیں۔ (کتاب التکشف والتصوف رسالہ حقیقہ“
 ”الطریقہ صفحہ ۴۱۰“

ایک اور سند شاہ مفسران حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول مبارک کی جس کو انہوں نے وسخر لکھو ما فی السموات والارض کی تفسیر میں فرمایا ہے پیش کی جاتی ہے جس کے ضمن میں دوسری سند حضرت قطب القلوب غوث الاعظم سیدنا عبد القادر محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ کی نقل کی ہے اور تیسری سند حضرت مولانا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ و تشریح کی ہے۔ مقالہ ۷۷ فتوح الغیب صفحہ ۲۹۲

وقال ابن عباس رضي الله تعالى عنه: في كل شيء اسم من اسمائه واسم كل شيء من اسمه فانما انت بين اسمائه وصفاته وانه عليه باطنًا لقد رتبته وظاهرًا أبجديًا ظهر بصفاقه وباطن بذاته حجب الذات بالصفات وحجب الصفات بالافعال - وكشف العلم بالارادة وظهر الارادة بالحركات واخفى الصنع والصنعة وظهر الصنعة وهو باطن في غيبه وظاهر في حكمته وقد رتبته ليس كمثله شيء وهو التميع المصيرة ولقد اظهر في هذا الكلام من اسرار المصنوعة فرأيا حضرت ابن عباس رضي الله عنهما في "هرميس" من حق تعالى کے ناموں میں سے ایک نام ہے (یعنی ہرچیز منظر اسماء الہی ہے) اور ہر شے کا نام اسی کے نام (کے اثر) سے ہے۔ پس تو نہیں ہے مگر اس کے نام و صفات اور افعال کے درمیان (پیدا شدہ اثر) اور قدرت حق میں پوشیدہ (جو کہ مرتبہ امکان و ماہیت ہے) اور ظاہر اس کی حکمت میں (جو کہ مرتبہ فعل و وجود ہے) ظاہر ہے حق تعالیٰ اپنے صفات سے اور باطن ہے۔

نور النور

(مرتبہ) ذات میں چنانچہ اپنی ذات کو اپنے صفات میں چھپایا ہے (اس لئے کہ صفت پردہ ذات ہے اور ادراک ذات بلا صفات کے غیر ممکن بلکہ مدرک وہی صفت ہے۔

اور ذات مبہم بر سبیل ابہام جو کہ اسی ضمن میں منظور و مشہود ہے مثلاً قادر وہ ہے جسے قدرت ہے عالم وہ ہے جسے علم ہے اور اسی طرح دیگر صفات۔ تو گویا ذات مشار ہے اور وہ ساری صفات میں ایک ہی ہے جیسے تم جس چیز کو بھی دیکھتے ہو تو کیا پاتے ہو؟ سیاہ یا سفید دراز یا کوتاہ نرم یا سخت چنانچہ ظاہر ہے کہ یہ صفات اسی صفات دانے ہی پر محمول ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ ایک کی نظر بصیرت اور توجہ باطن کی طرف ہے جو اسی کا گردیدہ ہے اور یہ مفہومات کی کثرت اس کی نظر اور شہود سے ساقط اور اگر ملحوظ ہوئی بھی تو اس کی تبعیت اور طفیل میں۔ وہ سارا اسی کثرت پر مبتلا ہے ذات کو اس کی تبعیت میں ملحوظ رکھنا ہے اور تعدد مفہومات اس کی نظر سے ساقط۔ (لیکن یہ) دوسرا شخص چونکہ اس کی نظر مفہومات متعدد پر رہتی ہے ملاحظہ ذات اسی کے تابع رہتا ہے اور اگر بالفرض اس کو پہلے سے یہ علم نہ ہوتا کہ یہ سارے صفات ایک ہی ذات کے ہیں تو متعدد ذوات کا مفہوم بھی روا رکھنا۔ الحاصل دونوں صورت میں

صفت پر وہ ذات ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک کی نظر
فقط پر وہ ہی پر ہے اور دوسرے کی پر وہ والے پر۔ ان
دونوں کا تفاوت ظاہر ہے۔ (.....)

اسی طرح صفات کو افعال کے ساتھ پوشیدہ کیا ہے (اور افعال
کو صفات کا پردہ بنایا اور صفات افعال سے ظاہر ہوتے ہیں جیسے کہ ذات
صفات سے مشہود ہوتی ہے) اور اسی طرح علم کو ارادہ سے ظاہر کیا ہے۔
(کیونکہ علم اس کا مخفی ہے، اور کہیں کہیں اس پر اظہار نہیں چاہتا جب
کوئی تمیز ارادے سے وجود میں آتی ہے تو اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ اس
کا علم یہ تھا) اور ظاہر کرتا ہے ارادہ کو حرکات سے (جو کہ مخلوق اور بندوں
کے جنبش و افعال میں کیونکہ بلا ان کے افعال کے ارادہ نہیں
معلوم ہوتا ہے اور یہاں حرکات سے تمام اشیاء کا وجود و حدوث
مراد ہو سکتا ہے یعنی اشیاء کا بالقوہ سے بالفعل ہونا) اور پوشیدہ کیا
ہے اپنے کام اور کام کرنے کو۔ اور ظاہر کیا ہے صفت کو (ارادہ سے)
اس لئے کہ وجود و افعال کی علت ارادہ ہے (اور حق تعالیٰ اپنے غیب
ذات میں باطن ہے اور اپنے آثار) حکمت و قدرت کے (ظہور سے)
ظاہر چنانچہ نہیں ہے اس کے مانند کوئی شے (ہے اس کی غیبت ذات
کی تشریح کا اشارہ ہے) اور وہی سنا اور دیکھتا ہے سے اس کے
آثار صفت کے ظہور کا اشارہ ہے عالم شہادت میں "بالتحقیق اس میں
حضرت ابن عباس نے کلام اسرار معرفت کو ظاہر فرمایا ہے اور یہ ظاہر
ذات اللہ

ہیں ہوتے مگر اس کے سینے سے جس کا دل روشن ہے "جس کا اشارہ
آیت نور میں ہے۔ یٰھدی اللہ لنورۃ من لیشاء اللہ ہی اپنے نور
سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اب ہم یہاں آیت نور کو بھی
پیش کرتے ہیں :-

اللہ نور السموات والارض مثل نورۃ مشکوٰۃ فیھا مصباح
المصباح فی زجاجة کأنھا الکلب دری یوقد من شجرة مبارکة زیتونة
لا شرقیة ولا غربیة یکاد زیتھا یضئ ولولم تمسہ نارۃ نور علی النور
یٰھدی اللہ لنورۃ من لیشاء ویضرب اللہ الامثال للناس
حالہ بکل شیء علیم اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے اس کے نور کی ایسی
مثال ہے کہ جیسا کسی طاق میں چراغ ہو اور چراغ شیشے (کی قندیل
میں ہو) (اور) شیشہ گویا چمکتا ہوا تارہ ہو روشن کیا گیا ہو روغن زیتون
سے جو بابرکت درخت ہے۔ نہ شترتی ہے نہ غریبی ہے کہ جس کا
تیل خود بخود روشن ہونے کو ہو۔ اور گو اس کو آگ بھی نہ لگی ہو۔ نور
پر نور اللہ اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور اللہ
لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے سے واقف ہے
اس آیت کی تفسیر حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے
جو محققانہ طور پر فرمائی ہے اس کا اقتباس مولانا ابو محمد عبد الحق
کی تفسیر حقانی کے حوالے سے بحسنہ نقل کر دیا جاتا ہے۔

"امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک

کتاب لکھی ہے جس کا نام مشکوٰۃ الانوار رکھا ہے۔ اس میں
 امام صاحب نے ثابت کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتاً آسمانوں اور
 زمین کا نور ہے، اُس پر ان الفاظ کا اطلاق حقیقتاً ہے نہ
 مجازاً۔۔۔ بہت سے مقدمات بیان فرما کر یہ کہا ہے کہ
 ادراک عقلی، ادراک بصری سے اشرف ہے اور دونوں
 کا مقتضی ظہور ہے اور خواص نور میں سے ظہور ہی اشرف
 ہے اس لئے ادراک عقلی اور ادراک بصری سے بدرجہ اولیٰ
 نور ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد یہ فرماتے ہیں کہ جملہ عوالم سب کے
 سب فی حد ذاتہ ممکن ہیں اور ممکن فی حد ذاتہ معدوم ہے
 ان کو وجود غیر کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور وجود نور اور
 عدم ظلمت ہے۔ پس کل ممکنات اپنی ذات میں مظلم ہیں نور
 فی حد ذاتہ وہی ہے جس کا وجود ذاتی ہے۔ ممکنات کا وجود اور
 ان کے صفات اور ان کے سب معارف اللہ کی طرف سے آئے
 ہیں۔ اب ظاہر ہو گیا کہ نور مطلق وہ اللہ سبحانہ ہی ہے اور غیر
 پر جو اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے تو مجازاً۔ کیونکہ اس کے سوا جو
 کچھ ہے من حیث ہو ہو (ویسے کا ویسا) ظلمت محض ہے۔
 کس لئے کہ وہ من حیث ہو عدم محض ہے۔ بلکہ یہ انوار بھی
 من حیث ہی ہی (ویسے کے ویسے) ظلمت ہیں۔ خلاصہ
 یہ کہ وہی نور حقیقی ہے اور جس قدر انوار ہیں اُسی کے نور کے

پر تو ہیں "واللہ اعلم۔ تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی

پارہ ۸ سورہ نور رکوع ۴ صفحہ ۲۱۶

اب اس پر بھی اگر کوئی تاویل کرے تو کہے انکار حق کرے تو کہے
اور یہ بات یہیں کیا خود مختار میں رد و رد و اسی کے سامنے ہوگی جبکہ حق تعالیٰ
انکی غیر معتقدہ صورتوں میں تجلی فرمائے گا اور کہے گا کہ "میں خدا ہوں"
تو خود خود بدولت ہی سے انکار کر بیٹھیں گے۔ اور کہیں گے نعوذ باللہ
منک "تو ہمارا خدا نہیں ہے" اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہے چنانچہ
یہ ایک بڑی حدیث کے ضمن میں ہے جو بخاری اور مسلم میں ابو ہریرہؓ اور
ابو سعیدؓ کی روایت سے ہے۔

ایسے حضرات کو کیا کہے۔ اب انھیں اللہ ہی پر چھوڑ دو اور خود اس کا
بھی یہی قول ہے :- اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ
او القی السمیع دھو شہید ماعینی اس میں اس کے لئے نصیحت ہے جو
اہل دل ہو یا کان لگا کہ (سنے) اور دیکھو وہ حاضر ہو۔

الحاصل اس سارے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ معلوم اپنے عالم کے
سارے ہر سامان کے ساتھ موجود ہو گیا یا موجود نہا۔

تو اب اس کے آثار کو اس میں دیکھ کر اس کے نہ جانیں تو کس کے
جانیں؟ اس کے افعال کو اس میں دیکھ کر اس کے نہ جانیں تو پھر کس کے
جانیں؟ اس کے صفات کو اس میں دیکھ کر اس کے نہ جانیں تو پھر کس کے
جانیں؟ اس کی ذات کو اس میں دیکھ کر اس کی نہ جانیں تو پھر کس کی جانیں؟

اور پھر فرض کرو اور کسی کی جانیں بھی تو کیسے جانیں؟ دل کو کیا کریں جس میں
 اُس کا علم ہے اور اُس کی بصیرت اور اگر جاننے کو رہنے بھی دیں تو دیکھیں
 کیسے آنکھوں کو کیا کریں جس میں اس کا نور ہے اور اس کا جلوہ۔ اور پھر
 یہ سب بھی کریں تو آیتا تو ختم وجہ اللہ (جدھر تم پھر وادھر اللہ ہی
 کی ذات ہے) پر کونسا پردہ ڈالیں اب رہا یہ کہ آنکھیں پھوڑ لیں، تو
 دل کے نور بصیرت کو کیا کریں؟ اور جو دل ہی کے ٹکڑے کر ڈالیں تو
 دل نشین کو کیا کریں؟

اب آگے بس کیجئے... کسی سے غرض نہیں وہ ہے تو سب ہے وہ
 ہے تو سب کچھ، سب کچھ نہ ہو تو نہوا کرے، سب کا نہ ہونا ہی اچھا اور پھر
 وہ ہمیں تو سب کچھ سب کچھ کہاں رہتے۔ اسی کے دم کا نظارہ ہے
 اسی کی ہستی کا صدقہ اشی کے نور کا ظہور اب اس پر بھی جس سے دیکھا جائے
 تو وہ آنکھیں پھوڑنے، دل چیر ڈالنے، گلا گھونٹنے دم دے لے نہیں کیا؟
 ہم تو بغیر اس کے نہ رہ سکتے ہیں نہ رہیں گے۔

من چکو نہ ہوش دارم پیش و پس
 چوں نباشد نور یا رم پیش و پس

اب یہاں ذرا اسی تمثیل کے ساتھ بھی تفصیل کی ضرورت ہے۔
 واضح ہو کہ عالم حقیقی اپنے معلومات کو جن کی حقیقت اُس کے علم میں ثابت
 ہے، اپنی صفت ظاہر سے باعتبار نور تجلی فرما کر ان معلومات کو جو فقط
 ثبوت میں ہیں، ظاہر اور مخلوق فرماتا ہے اور اس تجلی سے اس کی ذات و صفات
 نور النور

میں کوئی انقلاب واقع نہیں ہوتا۔ جیسے بلاشبہ ہم اپنے مخلوقات ذہنیہ کو اپنے
 مہمہ کی آواز سے ظاہر اور الفاظ میں موجود کر دیتے ہیں اور ایسا کرنے سے ہماری
 ذات یا صفت بدل نہیں جاتی، بلکہ ہماری آواز الفاظ بنا ہو جاتی ہے اور پھر جیسے
 اور جس جس قسم کے الفاظ ہمارے ذہن میں ثابت ہوتے ہیں ویسے ہی
 اُن کے اعتبارات کو ظاہر کرتی ہے باوجود اس کے آواز کی حقیقت الفاظ
 سے منقلب ہوتی ہے نہ الفاظ کی حقیقت ذہنیہ آواز ہو جاتی۔ سبحان اللہ
 و بحمدہ۔ یاد رہے اسی کو تجلی اور تمثیل کہتے ہیں۔ یعنی یہ کہ آواز نے الفاظ کا
 تمثیل جیسے کہ الفاظ ذہن میں تھے ویسے ہی بلا کم و بیش لیا۔ باوجود اس کے
 اس تمثیل سے آواز کی ذات میں کچھ تغیر نہیں ہوا نہ ذات آواز، نہ ذات الفاظ
 بنی۔ نہ ذات الفاظ، ذات آواز۔

یوں ہی اس مثال کو بھی سمجھو : جیسے سینما کی تصویریں جو کہ اس کے
 آلہ میں منقش رہتی ہیں جب کہ ان کو طور میں لانا ہوتا ہے تو سینما کا نور ان
 تصویروں پر اپنی تجلی نور ڈال کر اُن کا تمثیل لئے ہوئے پردہ پر ظاہر ہو جاتا
 ہے اور یہ تصویریں پتیلے اُس کے نور سے اپنی اپنی قابلیت کے موافق
 نمود پاجاتے ہیں لیکن باوصف اس کے اُن کے ایسے طور و نمود پاجاتے
 سے وہ نور منقلب ہو کر پتلا نہیں بنتا نہ اُن کی ذات منقلب ہو کر
 نور بنتی۔ بلکہ جوں کے توں بلا انقلاب حقیقت ایک دوسرے کے ساتھ
 باوجود یہ 'یہ۔ وہ' دیکھنے کے ایک معلوم دیتے ہیں۔ گویا یہ 'وہ۔
 وہ' دیکھائی دینے کے باوجود یہ 'یہ' جس 'وہ' اور پھر ایسا ہی کبھی
 نور و نور

بھی یہ وہ نہ ہوں گے۔ اور نہ وہ یہ ہوگا۔ چنانچہ یہاں اس امر کا خیال کر لو کہ
 مخلوق کی تخلیق عبث نہیں :- اَفَجَسْتُمْ اَمَّا خَلَقْتُمْ عَبَثًا ذَاتُكُمُ الْاِلٰهَآ
 لَا تَرْجِعُوْنَ :- پس کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں فضول پیدا
 کیلئے اور تم ہماری طرف نہیں پلٹو گے (یعنی لازمی پلٹو گے) مضمون ذرا اور تفصیل
 چاہتا ہے مگر اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں۔ مگر اتنا واضح رہے کہ یہی
 تمہل اور تجلی حقیقت ”کن“ ہے۔ اور ایسا ہی اس تمہل اور تجلی کے ساتھ
 عالم کا ظہور پا جانا جیسے کہ وہ علم میں ثابت ہے حقیقت ”فیکون“۔
 یہی ہے۔ ”تہر ظہور“۔ اب اس سے عالم کے ”بالحق“ ہونے کا راز بھی
 معلوم ہو گیا۔ اور یہ بھی یہاں معلوم ہو گیا کہ اعتبارات مختلف ہیں اور
 ہر اعتبار ایک جداگانہ حقیقت رکھتا ہے اگر اس حقیقت کا واقعی اعتبار
 نہ کیا جائیگا تو غرض ہی واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہے بھی یعنی
 جس نے کہ فقط اعتبار ظہوری کو لیا ”کہدیا کہ سب وہی ہے“ لیکن اس سے
 اس دوسرے اعتبار کی (جو ذات معلومات ہے) نفی نہیں ہوگی نہ
 ہو سکتی ہے۔ نعوذ باللہ اگر اس سے کسی قابل کا منشاء یہ ہو کہ ذات معلومات
 کچھ بھی نہیں ہے تو قطعاً الحاد کی بات ہے، اسی طرح جو کوئی بھی ذات
 معلومات کو علاحدہ ایک وجودی چیز ٹھہرا دے گا اور ذات حق کو
 منفک سمجھے گا نہ کہ خفی اور اخفی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور حق سے
 دور رہے گا۔

ناظرین! یہ بہت ہی نازک مسئلہ ہے اور بڑا زبردست پلصراط
 نور النور

خبردار! بڑی ہوشیاری سے ہر ایک باب کے سمجھنا تمثیل میں بھی پڑا جگہ ہو جاتا ہے۔ اکثر انھیں تمثیلوں سے الحاد اور کفر میں پڑ جاتے ہیں۔

خوب یاد رکھو.... کہ تمثیل کا تہ 'ہو' ہو نہیں سکتی اس وجہ سے کہ ہم میں ہم مثل بہت ہیں کیونکہ ہم کثیر ہیں۔ ادرحق تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں۔ کیونکہ وہ واحد ہے، اس لئے ہو ہو تمثیل ہو ہی نہیں سکتی۔ مجبوراً صرف ہر ظہور کی تفہیم کے لئے کچھ نہ کچھ مثال دینی پڑتی ہے لہذا ہم نے بھی جو مثالیں دی ہیں انھیں بھی کا تہ ہونہ سمجھ لینا۔ جیسے معلومات ذہنیہ کو بذریعہ آواز بصورت الفاظ ظہور میں لانے کی ہم نے تمثیل دی اس لئے کہ اس میں بھی من وجہ نقص ہے۔

ایک تویہ کہ الفاظ ظہور میں تو آئے لیکن ان میں خود کچھ حرکت اور ارادہ وغیرہ نہیں ہے اور پھر وہ جب کا جب ہی غائب ہو گئے۔ انھیں قیام نہیں رہا اور ظاہر ہے کہ ظہور حق ایسا نہیں بلکہ ابدی ہے۔ ایسا ہی سینما کی تمثیل کا بھی حال ہے مثلاً سینما کا نور علیحدہ ہے اور تصویروں کا آلہ علوہ اور پھر اس کا دکھانے والا علیحدہ، حالانکہ حق تعالیٰ کا تعلق خلق سے ایسا منفک نہیں لہذا تم یوں سمجھو کہ عالم حقیقی اپنے وجود ذاتی سے موجود ہے اور اس کے علم میں صور معلومات ہیں۔ اور وہ ان معلومات کو ان احوالات کے اعتبار سے جیسے کہ ان کے احوال ثابت ہیں اپنے خیال حقیقی میں اپنے وجود کے کمال اضافی کے ساتھ تخیل نور ڈال کر نمود میں لا رہا ہے اور چونکہ وہ ہر طرح قدرت اور ارادہ رکھتا ہے لہذا ان معلومات کو

غ

نور النور

۴۷

جن کو اپنے خیال واقعی میں ظاہر کیا ہے۔ اس طرح ظاہر کیا کہ انھیں ہستی
 اضافی دی اور اس طرح دی کہ وہ صاحب ارادہ اور صاحب افعال بنا یعنی اس کو
 اپنی نمود بے بود میں جو کہ اس کی حقیقت ظہور ہے اپنا مشاہدہ بلا تشابہ بنا دیا یعنی
 انھیں صاحب ارادہ بھی بنا دیا اور صاحب افعال بھی، صاحب اختیار بھی
 بنایا اور صاحب عقل بھی، البتہ فرق صرف اُس میں اور اس میں اتنا رہا کہ
 انھیں یہ سب کچھ دیا گیا ہے اور اس کا یہ سب ذاتی سامان ہے اور پھر اس
 طرح دیا گیا ہے کہ اس دینے سے کوئی کمی ہوئی نہ انفکاک۔ مثلاً

تم جب سو جاتے ہو تو تمہارے خیال و خواب میں ایک عالم اس عالم
 کے پورا پورا مشابہ قائم ہو جاتا ہے۔ اس میں کثرت ہوتی ہے۔ وہ کثرت جب
 تک کہ تم سوتے رہتے ہو واقعی ہوتی ہے اور اس حالت میں سارے عالم کے لئے
 جدے جدے اختیارات اور جدے جدے احوال ہوتے ہیں اور جدے
 جدے افعال اور ان کو تم اس وقت اپنا غیر جانتے ہو اور اس کو واقعہ سمجھتے
 ہو۔ چنانچہ جیسے اس وقت اس عالم کو واقعی سمجھتے ہو ویسے ہی اسی کے ہو ہو
 اس عالم کو بھی اس وقت سمجھتے ہو۔ اب دیکھو کہ وہ عالم تم ہی میں تھا باوجود
 اس کے اس کی کثرت سے تم کثیر نہیں بن گئے تھے۔ ان کے ارادہ سے
 تمہارا ارادہ باطل نہیں ہوا تھا۔ ان کی حیات سے تمہاری حیات میں کمی
 نہیں ہوئی تھی، ان کے مرنے سے تم نہیں مرے تھے۔ ان کی ساری خرابیوں
 سے تم ملوث نہیں ہوئے تھے۔ حالانکہ وہ سب تمہاری ہی ذات کا ایک
 ذرا سا خیال تھا یعنی یوں کہو کہ وہ سب کائنات تمہارے ہی خیال کی
 نمود النور

ایک کرشمہ تھی۔ تو دیکھو تم اُس وقت حتیٰ تھے، عالم تھے، مُرید تھے، قدیر تھے،
 سمیع تھے، بصیر تھے، کلیم تھے اور وہ بھی یہ سب کچھ تھے، لیکن حقیقت میں
 وہ تمہارے خیال میں قائم ہونے کے پہلے بھی اور قائم ہونے کے بعد بھی میت
 تھے، جاہل تھے، مُضطر تھے، عاجز تھے، بہرے تھے، اندھے تھے، گونگے تھے،
 یعنی تمہارا خیال قائم رہا تھا تو سب قائم رہے تمہارا خیال مٹا تو سب غلام۔
 لیکن من وجہ اس میں بھی نقص ہے۔

اب اس کا نقص بھی معلوم کر لو یہ کہ تم اس وقت بے خبر رہتے ہو جبکہ
 سو جاتے ہو۔ اس حال میں اُس نمود کو اپنے خیال کی نمود نہیں خیال کرتے
 غافل رہتے ہو اُسی طرح اس خیال کو دوام بھی نہیں رکھ سکتے۔ کیوں
 نہیں رکھ سکتے؟ اس لئے کہ تم خود قائم بخود اور موجود بالذات نہیں بلکہ
 غیر کے وجود و خیال سے موجود ہو، لہذا یہاں یہ سمجھو کہ حق و خلق کے لئے
 اس ترمیم کے ساتھ تمثیل تسلیم کریں تو درست ہے۔ یہ کہ اس کے خیال میں
 سارا عالم ہے، جیسے ہمارے خواب و خیال میں رہتا ہے، لیکن فرق
 یہ ہے کہ ہمارے ارادے بغیر عالم خیال میں قائم ہو جاتا ہے، اس کے
 بغیر ارادہ نہیں ہوتا۔ ہم کو اس کا علم نہیں رہتا، خیال نہیں رہتا، اس
 کو علم و خیال دونوں بھی ہے، ہم خود بخود موجود نہیں، نہ قائم بالذات،
 وہ خود بخود موجود اور قائم بالذات ہے۔ ہم خیال دوام نہیں رکھ سکتے
 وہ دائم رکھ سکتا ہے۔ ہم اپنے متخیلہ صورتوں پر اختیار رکھ نہیں سکتے وہ
 رکھ سکتا ہے، ہم ان کی حقیقت سے بیخبر ہیں، اُس کو سب علم ہے، ہم ان پر

تصرف کر نہیں سکتے وہ سب پر متصرف ہے۔ ہم ان صورتخیلہ کو یا لارادہ و
 بالاختیار ارادہ اور اختیار دے نہیں سکتے۔ وہ دیتا ہے۔ ہم ان کو ہماری
 ذات کا علم دے نہیں سکتے وہ دیتا ہے۔ ہم خود کو انھیں دکھلا نہیں سکتے وہ
 دکھلاتا ہے۔ ہم ان کو ”اپنی صورتخیلہ کی کائنات ہے“ کہہ کے نہیں سمجھ
 سکتے وہ جانتا ہے۔ ہم ان کو بالکل الگ اور غیر سمجھتے ہیں۔ وہ وجود سے
 عین اور اپنی ذات کے خیال سے غیر جانتا ہے۔ ہم ان کو عقل و فہم دے
 نہیں سکتے وہ دیتا ہے۔ غرض بالکلہ اپنے اعتبار سے اس کو متصف نہ سمجھ
 کر ہو بہو اس تمثیل کو اگر دیکھئے تو بات صاف ہو جائے گی۔ اب اسی طرح
 ہر تمثیل کی خرابی کو دور کر کے دوسرا اعتبار بے شلیت کا جیسا کہ ہے
 تسلیم کر کے سمجھتے جائیے۔۔۔۔۔ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

یہ ہے۔۔۔۔۔ اس کا علم اور اسی کا نور۔ اب یہاں سینما کی تمثیل
 میں بھی تسلیم کر لیجئے اور بے بھی یوں ہی :- یہ کہ اس کا وجود منبع کمالات
 ہے تو یوں سمجھو کہ عرش فرش اس کے خیال کی نمائش کا گویا ایک سینما ہے
 اور اس کا علم اس سینما کی تصویروں (یعنی حقائق مخلوقات) کا آلہ چنانچہ
 اس کا نور (وجود) ان تصویروں کو (جو کہ حقیقت مخلوقات ہے) اپنی تجلی
 اسمائی و صفاتی سے جو کہ اس کے کمالات ہیں باعتبار نور ان کے اس
 خیالی سینما کے پردہ فضائی پر یہ اعتبار ان کے تمثیل کے تجلی ڈال رہا ہے اب
 اس نور سے یہ تصویریں جو کہ اس کے علم میں تھیں اس کے وجود اضافی سے
 جو کہ تجلیات اسماء و صفات کا اعتبار ہے نمود میں آرہی ہیں۔ اب انھیں

علم) میں منقش تھے، یہاں یہ تسلیم کر لیجئے کہ اس تجلی سے حیات
 یا ارادہ بھی ملا، اختیار بھی، افعال بھی ملے، وجود بھی نمود
 کی قدرتِ کاملہ ہے اور فیضانِ وجود.....

یار! بعض حضرات سب وہی وہی جو کہتے ہیں تو وہ اسی وجود
 سے کہتے ہیں۔ جو کہ اسمائی و صفاتی تجلی کے اعتبار سے
 احکام اور آثار کے ساتھ نمود میں لاتا ہے۔ یعنی ”وہی“
 ۔ اور چونکہ بلا تجلی و تمثیل کے نور کا ظہور نہیں ہوتا، لہذا سب
 کہتے ہیں ”وہی نما“۔ اور اسی طرح جو وجود کو قدیم میں قدیم
 حادث کہتے ہیں۔ وہ بھی اعتبار ہے۔ یعنی وجود کی دو نسبتیں
 قدامت اور ایک حدوث نمائی قدامت اس کی نسبت
 ۔ حدوث نمائی اس کی نسبت اضافیہ، جو کہ اس کا کمال
 وجود اپنے مظاہر کو دکھانے کے متاثر نہیں ہوتا، متاثر
 ہے۔ اور کس طرح متاثر ہو گا؟ ظاہر ہے کہ متاثر ہوئے
 ۔ تھے اور مسلم ہے کہ اس کا غیر وجود میں کوئی نہیں

ہستی کہ موثر حقیقی است یکیت
 متاثر نمائی کے کمال سے جو کہ تشبیہی اعتبار بھی کہلاتا ہے
 ہے یا ۶

عالم واللہ ایک سب سے وہی وہ سب

کہہ دیتے ہیں۔ لیکن خبردار! اس سے متاثر ہونے کے معنی نہ لینا جیسے کہ بعض لوگ غلبہ وجود میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ ”وجود مطلق ہی اپنے مراتب کے لحاظ سے رب مطلب عبد بھی حاشا وکلاً..... ایسا نہیں ہے۔ ثم حاشا وکلاً۔ ہاں اس سے یہ مطلب اگلیجئے کہ رب بالذات وبالحقیقت ہے اور عبد نما از روئے ظہور تو اور بات ہے اور اگر وجود کو بالفرض (ماہیتہ) دونوں بھی جانیں تو پھر وجود حقیقت حق بھی ٹھہرے اور حقیقت عبد بھی نعوذ باللہ یہ دونوں باہم پورے پورے اجزا ہو گئے۔ جو کفر ہے اور زندہ....! چنانچہ بعض لوگ غلط فہمی سے اسی کا نام تنزیہ اور تشبیہ سمجھتے ہیں۔ اور بالفرض اگر ایسا ہوا بھی تو وجود حقیقت حق ہی کیوں ٹھہرائیں میں نقص و عیوب کی ذاتی صفت بھری ہوئی ہو۔ اور پھر ویسے کو خدا ہی کیوں کہئے..... سُبْحَانَ اللَّهِ عما یصفون۔

خبردار! ان ہی باتوں سے جن لوگوں نے غلط طور پر مثالوں اور مضامین کو سمجھ لیا، بس خلاف شرع ہو گئے۔ یعنی غلط طور پر وحدۃ الوجود کے قائل ہو گئے.... تو یہ سمجھ بیٹھے کہ بس اب کسی بات کی ضرورت نہیں رہی۔ شریعت اٹھ گئی۔ خدا بندہ یا تو ایک ہو گئے، یا خدا بندہ ہوا بندہ خدا.... چلو چھٹی ہوئی۔ اور اس خیال سے توحید افعالی کے اعتبارات کو بھی غلط طور پر سمجھ کہ خود کو مجبور محض خیال کر بیٹھے..... اور کہہ دیا یہ

گناہ گرچہ نبود اختیار ما حافظ
تو در طریق ادب کوش و گوناگون

اور اسی طرح عذاب و ثواب جنت و دوزخ قیامت وغیرہ کو بھی انہوں نے
 دل لگی سمجھ لیا۔ دلیل میں وحدۃ الوجود کو پیش کر دیا۔ حالانکہ جو یہ پیش کرتے
 ہیں۔ وہ وحدۃ الوجود ہی نہیں۔ یہ تو ان کا الحاد اور زندقہ ہے جس کو
 انہوں نے اپنے گمان میں وحدۃ الوجود سمجھ رکھا ہے۔ ان الظب
 لا یخفون من الحق شیئاً۔ (اور گمراہ ہونا چاہتے)

یہاں ذرا سی تفصیل کی مزید ضرورت ہے کیونکہ توحید افعالی کا ذکر
 آگیا ہے اور مقام توحید افعالی عروج و نزول کا زبردست زینہ ہے
 اکثر یہیں قدم پھسل جاتے ہیں۔ یہاں کا گمراہ ہوا سنبھل ہی نہیں سکتا۔ اور
 اسی طرح یہاں کا سنبھلا ہوا راست جنت الذات تک پہنچ جاتا ہے۔
 آگے کوئی ایسی مزاحمت نہیں۔ لہذا یہ بہت ہی سنبھل کر قدم رکھنے کا
 مقام ہے۔

یہاں کی لغزش کی وجہ بھی اعتبارات کا نہ سمجھنا ہے اور یہ ساری
 باتیں وحدۃ الوجود ہی کے مسئلہ کو غلط طور پر سمجھنے کی وجہ سے ہوتی ہیں۔
 اور یہ اسکی غلط فہمی کا طفیل ہے۔ چنانچہ بعض حضرات بزرگوں کے بعض
 اشعار یا مضامین کے نکات دقیق کو نہ سمجھ کر ان کے بھروسہ پر اپنی
 غلط فہمی سے خود کو بھی مجبور محض سمجھتے ہیں اور بزرگان دین پر بھی مجبوری
 کے قائل ہونے کا الزام دھرو دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ

ایمانی اعتبار سے اس مسئلہ کے متعلق سارے قرآن مجید میں متعدد
 مرتبہ دو باتیں آئی ہیں ایک کسب فعل اور ایک مطلق فعل۔ چنانچہ اسی
 نور النور

اعتبار سے ازروئے عقائد حق تعالیٰ کو خالق افعال اور بندہ کو کاسب اعمال کہتے ہیں۔ اس کی کچھ تصریح اگرچہ کہ اول ہی ہم نے اعتبار افعال کی حقیقت میں بیان کی ہے۔ لیکن یہاں اس کی حقیقت کی تفصیل کسی قدر ضروری ہے۔ اس لئے کہ اس میں ازروئے تحقیق دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اگر کاسب افعال بندہ کو نہ مانا جائے تو اس کا مجبور محض ہونا لازم آئے گا۔ اور ایسی صورت میں افعال شرک کا مرجع کون ہے؟ اور اگر شرک کو شر ہی نہ جانئے تو پھر شریعت کا باطل ہونا لازم آئے گا۔ جو کہ امر واقعی ہے اور جس سے انکار محال۔ اگرچہ کہ وہ اہل معقول کے پاس مآول ہو یا خلافت کیونکہ عقل اہل معقول خود مخلوق اور مخلوق کو جو علم دیا گیا ہے وہ ”الاقلیلا“ ہونے کے سوا اکثر ظنی ہے۔ چنانچہ اسی لئے رسولوں کی ضرورت تھی ہوئی۔ ورنہ ہر معقولی خدا رسید ہو جاتا۔ وہ تو مفروضات عقلی اور محال فرضی کے پیچھے حیران ہے لہذا یہاں اس معقولیت سے غرض نہیں۔ ”قتل الخراصون“ کا ہوئے اکل مارنے والے ”د پارہ ۲۶ الذاریات۔ رکوع ۱۰)۔

دوسرا سوال اس کے برعکس یہ پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر یہ کاسب افعال ہے تو فاعلیت کی جہت اس میں بھی ماننی پڑے گی۔ اس سے دو فاعل کا ماننا لازم آئے گا اور یہ بھی بری بات ہے۔ اور اگر کاسب میں فعلیت ہی نہ ہو تو پھر کاسب کا معنی کیا ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس مسئلہ کی تصدیق ازروئے ایمان کی گئی ہے

پھر اس کی تحقیق کے درپے ہونا۔ اب تحقیق اگر مطابق عقائد ہو تو سبحان اللہ کیا کہنا ہے۔ اور اگر مطابق عقائد نہ ہو تو اس سے احتراز کیجئے۔ یہ سوال کہ آیا اس کی تحقیق عقاید ہو سکتی ہے کہ نہیں؟ برابر ہو سکتی ہے۔..... کس سے ہو سکتی ہے؟ اس سے ہو سکتی ہے کہ جو باخبر ہو۔ کیونکہ یہ سرِ قدرِ اودامرار الہیہ کا مسئلہ خاص ہے، لہذا اُسی سے حل ہوگا۔ معیار ہی رکھئے جو ہم نے بتایا ہے۔

گو ہم یہاں اسے بھی کچھ مختصر بیان کئے دیتے ہیں۔ مگر اسی پر اکتفا نہ کرنا۔ اس کا حل یہ ہے کہ

حقیقتِ کسب

کو اول معلوم کرنا چاہئے۔ کہ رائے کسب کیا ہے؟ کیونکہ حق تعالیٰ نے اس نسبت کسب کو اپنی طرف کسی جگہ بھی نہیں لگایا۔ مثلاً کَلَّ نفسی بما کسبت رہینۃ یعنی ہر جی اُسی پر گرد ہے جس کو اس نے کمایا ہے.... فعل کی نسبت البتہ اپنی طرف کی ہر جگہ کی :- یفعل اللہ ما یشاء و فعال لما یرید ہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کا ارادہ کرتا ہے وہی کرتا ہے۔ یہ ہے قانونِ شریعت جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نسبت کسب کو حق تعالیٰ کی طرف ہرگز نہ پھیرو ورنہ زندقہ ہو جائے گا.... اسی طرح خلقِ فعل کو خلق کی طرف کرو گے تو شرک و کفر ہو جائے گا۔ کیونکہ واللہ خلقکم و ما تعلمون ہ اللہ نے تمہیں بنایا اور تمہارے اعمال کو بھی۔

۵۵

۶

نور النور

البتہ فعل کی نسبت بندوں کی طرف اضافۃ کی گئی ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ :- فعل مطلق بھی بندوں کے لئے نہیں، جبر مطلق بھی بندوں کے لئے نہیں۔ البتہ نسبت اوسط ہے یعنی یہ کہ کچھ فعلیت بھی ہے کچھ عدم فعلیت۔ کچھ اختیار بھی ہے کچھ عدم اختیار۔ اس کا متریب ہے کہ کسب کے ایک معنی میں تو لغوی ہیں، دوسرے اصطلاح رموز قرآن۔ لغوی تو یہ کہ کسی فعل کا کسی آلہ کے ذریعہ وقوع پانا از روئے لغت کسب ہے۔ جیسے بڑھی کا کسب، لوہار کا کسب۔ اصطلاح قرآنی یہ کہ کسی ایسے کو قوت فعل دینا جس میں قول فعل کا خاصہ اس کے امکان ذاتی کے لحاظ سے تو ہو، لیکن خود بالذات فاعلیت کی قوت اس کو نہ ہو اور قبول فعل کا خاصہ بھی اس کے استعدادی اختیار کا ہو۔ اس کو یا اصطلاح رموز قرآن کسب کہتے ہیں جس کی دلیل یہ ہے :-

قل کل یعمل علیٰ شاکلہ۔ کہدو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہر ایک اپنی صورت اور نیت (یعنی کینڈے یا استعداد و قابلیت ذاتی کے اعتبار سے عمل کرتا ہے۔ چنانچہ اسی قوت فعل کے اعتبار سے ”لا حقہ الا یا اللہ“ فرمایا گیا۔ یعنی کسی مخلوق کو جس کو حقیقت معلوم اور نظر ہے) بالذات حرکت و قوت نہیں۔ اور جو ہے تو اللہ سے ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں اس کی صراحت یوں ہے :- لَا خَوْلَ بِمَحْصِيَّتٍ وَلَا حَقْوَةَ بِطَاعَتِهِ إِلَّا يَا اللہ یہ کسی کو گناہ کا حول یعنی حرکت و طاقت اور طاعت کی قوت بنیہ اللہ کے نہیں۔ جس کا منشا یہ ہے کہ حرکت و طاقت

نہیں بھی ہے اور ہے بھی۔ یعنی نہیں ہے بالاصالت اور ہے بالاضافت یعنی اس
 راز کو اس طرح سمجھو کہ جیسے اس کے لئے وجود اضافی ہے اور ذات واقعی۔
 ایسے ہی قوت فعل اضافی ہے۔ اور اس کی نسبت واقعی اور نفس الامری۔
 چنانچہ محققین صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو ”اقتضاء“ کہتے ہیں۔ یعنی
 اپنے اقتضاء ذاتی کے لحاظ سے منظر اور ممکن کو اختیار حاصل ہے۔
 اور نفس فاعلیت کے اعتبار سے جو بالاصالت ہے۔ مجبوری یعنی جیسے
 ظہور اس کی ذات واقعی کا بلا وجود تعالیٰ کے ہو نہیں سکتا، ویسے ظہور اس
 کے اقتضاء ذاتی کا بلا فاعلیت الہیہ کے ہو نہیں سکتا۔ اور جیسے وجود
 اضافی سے یہ حق نہیں ہو سکتا۔ ویسے فاعلیت اضافیہ کے اعتبار سے
 یہ فاعل مطلق نہیں ہو سکتا۔ جیسے حصول وجود اضافی سے اس کی ذات
 معدوم محض نہیں ہو سکتی، ویسے حصول فاعلیت اضافیہ سے یہ مجبور محض
 نہیں ہو سکتا۔ اور جیسے وجود واحد ہے اور ذات دو ہیں :- ایک موجود
 حقیقی ایک موجود اضافی، ویسے حرکت واحد ہے اور اس کی نسبتیں
 دو ہیں۔ ایک حقیقی اور ایک اضافی۔ یعنی ایک تو اصلی اور حقیقی نسبت
 جو موجود وجودی حقیقی کا اعتبار ذاتی ہے۔ دوسری اضافی جو موجود اضافی
 کے اقتضاء ذاتی کا اعتبار ہے۔ چنانچہ اسی اعتبار سے کہا گیا کہ کل
 نفس بما کسبت دھیندہ جس کی مثال یوں سمجھو جیسے کہ کہا
 کرتے ہیں، یہ کہ فلاں بخاری کا کسب کرتا ہے۔ فلاں باری کا
 کسب کرتا ہے۔ فلاں درزی کا کسب کرتا ہے فلاں معمار کا کسب

کرتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔۔۔۔۔ مثلاً گومتال من وجہ ہوتی ہے کہ آتہ ہو
 نہیں ہوتی۔ تاہم تفہیم کے لئے مجبوراً کہنا ہی پڑتا ہے۔ یہ کہ برٹھی اپنی بخاری
 کو لبولہ سے جو کہ آلہ بخاری ہے بخاری کا کسب کرتا ہے۔ اگر اس کو
 لبولہ نہ ملے تو مجبوری لاحق ہوتی ہے۔ بخاری کا فصل نہیں ہو سکتا مثلاً
 آپ کسی برٹھی سے جس کے پاس لبولہ نہ ہو کہئے کہ بھیت ذرا لکڑی چھیل
 دینا، یہی کہے گا کہ میاں لبولہ نہیں ہے کیا کروں مجبور ہوں۔ حالانکہ اس
 کو فن بخاری پر اختیار حاصل ہے لیکن بالماستعداد ہے، اس کا ظہور
 بلا اس آلہ کے ہرگز ممکن نہیں۔ اسی طرح آپ کسی ایسے شخص کو جو فن
 بخاری نہیں جانتا، آلات بخاری رکھ کہہئے کہ بھیت ذرا اس لکڑی کو
 چھیل دینا یا دروازہ بنا دینا یا الماری وغیرہ صاف کہے گا، حضرت میں تو
 اس فن ہی کو نہیں جانتا، مجھ سے تو یہ کام ہو ہی نہیں سکتا۔ آلات کو کیا
 کروں، اس فن ہی کی استعداد مجھ میں نہیں ہے، دگوبا اس فن کے اعتبار
 سے تو میں مجبور محض ہوں)۔ اسی طرح ہر کسب و پیشہ کا معاملہ ہے۔ تو اب
 اس سے یہ معلوم کیجئے کہ اہل کسب اگر چہ وہ کسی فن و کسب کا اختیار رکھتا
 ہو اور اس پر حاوی، لیکن بغیر آلہ کی قوت کے مجبور ہے، اور اسی طرح اس
 آلہ کی قوت بھی اس کے حسب استعمال ظاہر ہوتی ہے۔ یہی تو وجہ ہے کہ
 کوئی دیوانہ بھی ان آلات کو کاسب نہیں کہتا، بلکہ اس اہل کسب ہی کو
 کاسب کہتا ہے۔ اور آلہ کو آلات، لہذا اب اس مثال سے من وجہ یہ سمجھو
 کہ بندہ جو کہ سب اعمال ہے۔ اس کے کسب فعل کا ذریعہ قوتِ فاعلیت

اہلیہ ہی ہے۔ لیکن اس کا اکتساب یہ اپنی استعداد کے موافق کرتا ہے۔
 اس قوت پر کوئی الزام نہیں کیونکہ اکتساب استعداد اس کی اختیاری نسبت
 ہے۔ اور فعل استعدادی کو وقوع میں لانا اس آلہ کی نسبت جو کہ قوت
 اہلیہ ہے جس کی نسبت اس کی طرف اضافی۔ اور اسی طرح اگر دوسرے
 اعتبار سے بھی اس کی تمثیل لیں تو من وجہ وہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً حق تعالیٰ
 کو فاعل اور مخلوقات سے آلہ مراد لیں تو اس صورت میں یہ اعتبار لیا جائیگا
 کہ آلہ میں جو خاصیت ہے وہ گویا اس کا اقتضا ہے اور اس کی استعداد۔
 اور اسی استعدادی نسبت کے لحاظ سے اس کے لئے مختاریت کی نسبت
 بھی ثابت۔ لیکن چونکہ بلا کسی فاعل کی قوت کے اس کے اقتضاء یا
 اس کی استعداد ذاتی کا ظہور نہیں ہوتا۔ لہذا یہ اس کی مجبوریت کی صفت
 ہے۔ لیکن مجبوریت محض نہیں۔۔۔۔۔ اس لئے کہ اقتضائی یا استعدادی
 اختیار واقعی اور نفس الامری طور پر ثابت ہے۔ مثلاً بسولہ
 جس میں چھیلنے کا خاصہ ہے اگر وہ خراب ہو تو باوجود فاعلیت
 کے اس کا خاصہ ظاہر ہو نہیں سکتا۔ یہی توجہ ہے کہ بڑھئی کو خراب
 کوئی بھی نہیں کہتا۔ یہ اس لئے ہے کہ چھیلنے کی جو خاصیت ہے وہ
 بسولہ کی ہے جو کہ اس کی ذاتی استعداد ہے اور چھیلنے کا فعل یا اس کی
 قوت بڑھئی کی نسبت ہے جو کہ اس کی صفت ذاتیہ ہے۔ لہذا اس کو
 یہی کہیں گے کہ بڑھئی نے چھیلا تو سہی مگر بسولہ خراب تھا۔ دیکھئے
 فعل کی حقیقت جو حرکت تھی وہ تو ایک ہی تھی، مگر ایک نسبت بسولہ کی طرف ہوئی

خواب ہونے کی ایک نسبت چھیلنے والی کی طرف ہوتی، چھیلنے کی۔ اسی طرح بسولہ اگر تیز ہوتا تو تیزی کی صفت بھی اسی کی طرف ہوتی۔ حالانکہ ہر صورت میں چھیلنے والا تو بڑھتی ہی تھا۔ اور دونوں صورتوں میں حرکت واحد ہی تھی البتہ فرق یہ ہے کہ بڑھتی میں فعل کی نسبت بالاصالت ہے، اور بسولہ میں بالاضافہ۔ بڑھتی کا اختیار ذاتی حقیقی ہے تو بسولہ کا اقتضائی واقعی، چنانچہ اگر بسولہ نہ ہو تو فنِ بخاری کا ظہور بھی بخار سے واقع نہ ہو گا۔ اور اسی طرح بسولہ ہو، اور اس میں تیزی بھی ہو، لیکن فاعل نہ ہو، تو جب بھی بسولہ کی صفت اور اس کا خاصہ ظہور میں آ ہی نہیں سکتا۔ اور پھر باوجود اس کے بسولہ کی خاصیت جو اس کی صفتِ انفعالی ہے یا قابلیتِ ذاتی، یا استعدادی ہرگز بخار کی صفتِ ذاتیہ ہو نہیں سکتی نہ اس کی صفت سے یہ متصف مانا جاتا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ اس کی قوت سے بسولہ مستفیض ہو کر اپنے کمال کا ظہور پاتا ہے۔ جو کہ اس میں بالقوہ بالاستعداد تھا۔

اب اس مثال کے نقص کو بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ مثلاً اس تمثیل کے اعتبارِ ادنیٰ میں یہ نقص ہے کہ بسولہ میں خود بخود چھیلنے کی قوت بالاصالت نہیں ہے اور بڑھتی میں ہے۔ لہذا یہاں یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ بسولہ سے قوتِ الہیہ مراد ہے اور بڑھتی سے انسان۔ ظہورِ اعمال اس کے اقتضائات، ذریعہ کتابِ عقل، اقتضائے عملِ اختیاری (استعدادی) گویا انسانِ ظہور میں بموجب عقلِ اختیارِ استعدادی سے اپنے حسبِ

اقتضاء قوتِ الہیہ کے ذریعہ الکتاب فعل کو تلبہ۔ لہذا اس کسبِ فعل
 کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کو اس کی قوت اس کے
 اقتضائے ذاتی کے لحاظ سے ملی ہے اور اس اقتضائے ذاتی کے لحاظ سے ظہور میں
 حق تعالیٰ نے اس کو اختیار بھی بخشا ہے۔ جس کو عقل استعمال کرتی ہے اور
 یہ نسبت اقتضائی حق تعالیٰ کی صفت ذاتیہ نہیں اسی طرح اس دوسرے
 اعتبار کو بھی سمجھو چنانچہ اس میں نقص یہ ہے کہ آلہ میں خود کچھ اختیار
 نہیں ہے۔ برٹھٹی جیسے چاہتا ہے اس کو بناتا ہے اور اس کا استعمال کرتا
 ہے لہذا یہاں یہ اعتبار لینا چاہئے کہ برٹھٹی سے بلا تشبیہ حق تعالیٰ مراد
 ہے۔ اور آلہ سے انسان۔ آلہ میں بظاہر اختیار نہیں استعداد میں ہے
 انسان میں ایسا نہیں بلکہ اس کو ظہور میں اس کے حسب اقتضاء اختیار
 ملا ہے جس کا ثبوت اس کی عقل ہے اور یہ قدرتِ الہیہ ہے۔ اور جیسا
 کہ اس کی ذات کا ظہور باوجود اس کے واقعی ہونے کے باوجود الہیہ کے
 نہیں اور باوجود موجودیتِ الہیہ کے اس کی موجودیت بھی واقعی اور نفس
 الامری ہے اسی طرح باعتبار ظہور باوجود عدم اختیار اصلی کے اس کے
 لئے اختیار اقتضائی بھی ثابت اور باوجود اس کی فاعلیت ذاتیہ کے
 اس کی فاعلیت اضافیہ بھی واقعی اور نفس الامری ثابت یہی ہے۔
 حقیقت کسب.... اس کو خوب سمجھ لو! اسی طرح اب اس شعر کو
 بھی یہاں سمجھو کہ ”گناہ گر چہ نبود.... الخ سے کیا مطلب ہے؟
 یعنی گناہ از روئے فاعلیت یا وقوع ظاہری ہمارے اختیار میں نہ تھا۔

اس لئے کہ ہم بالاصالت فاعل نہیں اس کے بعد ”تو در طریق ادب کوش“
 بھی ثابت ہے۔ تو باوجود اس کے ”طریق ادب“ کیا ہے؟ یہ ہے کہ نسبتوں
 کا فرق واقعی ہے یعنی جس کی نسبت جو ہو، اس کو اس کی طرف کرنا ادب
 ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ تیرے اقتضائے ذاتی کے اختیارات کی نسبت
 کو نظر انداز مت کر، کیونکہ اختیار اقتضائی تری نسبت ذاتیہ ہے جو واقعی
 اور نفس الامری نسبت ہے۔ لہذا ”گو گناہ من است“ بول کہ میرا
 ہی گناہ ہے۔

چنانچہ اب بات صاف ہو گئی۔ واضح ہو کہ بعض حضرات نے اس
 کو زبردستی کا تعظیمی ادب خیال کیا ہے۔ یعنی غیر واقعی۔ یہ محض غلط ہے اور
 اسی طرح بعض حضرات نے جو خود کو مجبور محض سمجھ لیا ہے، گویا انہوں نے
 جاد کی مثال لی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ جمادات اور نباتات میں فرق
 ہے نباتات اور حیوانات میں فرق ہے۔ حیوانات اور انسان میں فرق
 ہے بلکہ حیوانات اور انسان میں تو زبردست فرق ہے! ہاں، اگر یہ جمادات
 کی طرح ہوتے تو البتہ ممکن تھا، اور یہ بات جب ہوتی کہ انھیں عقل
 ہی نہ ہوتی، جیسے چھوٹا بچہ کہ اسے عقل ہی نہیں، گویا وہ ایک متحرک
 جامہ ہے نہ نفع سمجھتا نہ نقصان۔ نہ تو میں جانتا نہ تعریف۔ ایک حالت
 میں رہتا ہے دل سے بھی صورت سے بھی اور یہاں یہ بات نہیں ہر
 طرح کی سمجھ ہے.....!

الغرض جیسے فعلیت میں مجبور محض نہیں ہے، ویسے فاعلیت میں

نمٹا کر محض بھی نہیں یہ شرک ہے تو وہ کفر اور اس کے سوا بدیہی بات بھی
یہی ہے مثلاً مختار محض ہوتا تو خود کو ہمیشہ زندہ رکھتا، کیونکہ مرنا کوئی نہیں
چاہتا۔ مجبوراً مرتا ہے۔ غیر! اور کچھ نہ کرتا تو ہمیشہ جوان رہتا۔
بوڑھا نہ ہوتا۔ اس لئے کہ بوڑھا ہونا کوئی بھی نہیں چاہتا اور یہ بھی
نہیں کر سکا تو کم از کم اپنے بالوں کو ہی سیاہ کے سیاہ رہنے دیتا۔ کیونکہ
بالوں کا سفید ہونا کوئی بھی نہیں چاہتا۔ خلاصہ یہ کہ مجبوراً مرتا ہے، مجبوراً
بوڑھا ہوتا ہے، مجبوراً سفید ہوتا ہے اسی طرح اور بہت سی باتیں
ہیں، کہاں تک گنائیں۔ اسی مثال پر خیال کر لو۔

الحاصل ان تمام باتوں سے یہ معلوم ہوا کہ مجبوری میں اختیار ہے
اختیار میں مجبوری۔ اختیار میں جو مجبوری ہے تو وہ اپنی نسبت فقر ہے۔
مجبوری میں جو اختیار ہے وہ اس کی نوازش اور اس کے الطاف کا
صدقہ۔ مختصر یہ کہ اس اقتضائی اعتبار سے قل کل یعمل علیٰ شاکلۃہ
کہہ دو کہ ہر ایک اپنے کینڈے یعنی موافق اقتضائے عمل کرتا ہے (پہلا
بنی اسرائیل) ثابت ہے۔ تو اس کے وقوع کے اعتبار سے۔ واللہ
خلقکم وما تَعْلَمُونَ ط اور اللہ نے تمہیں بنایا اور ہمارے اعمال کو
(پہلا رکوع ۳) ثابت۔ اس کے سوا فاعل مطلق کا ایک اعتبار اور ہے
جو کہ اس کا اقتدار ہے یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ
شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا
ہے مگر یہ مقام استحقاق و سوال نہیں اس لئے کہ معلوم یہاں
نور النور

خلاصہ یہ کہ ان دونوں نسبتوں کو ملحوظ رکھنا صراطِ مستقیم ہے۔
 چنانچہ حضرت مولانا رومؒ اس کی یہ مختصر تفصیل فرماتے ہیں :-
 گفت شیطان کہ بما اعنویتنی کہ وہ فعل خود نہاں دیو دنی
 از پندہ آموزای روشن جبین رہنا گفت وظلمت پیش ازین
 نے بہانہ کہہ دوتے تزویر ساخت نے لوائے کرو حیلست بر فراخت
 بانہاں ابلیس بحث آغاز کرد کہ یدم من سرخرو کہ یدم زرد
 رنگ رنگ تست صبا غم توئی اصل جرم و آفت واعسم توئی
 این بخواں دبا بما اعنویتنی تا نگردی جبری و کثر کم تنی
 بر درخت جبر تا کے بر جہی اختیار خویش را یکسو نہی
 ہنجو آں ابلیس و ذریاست او با خدا در جنگ و اندر گفتگو
 ہرچہ گفت خواست داری اختیار ہرچہ عقلست خواست آری مضطر
 مولانا رحمۃ اللہ علیہ اشعار مذکور میں اس جبر و قدر کی نسبت اس طرح
 فرماتے ہیں کہ شیطان نے حق تعالیٰ سے یہ کہا کہ میں نے کچھ نہیں کیا یعنی
 مجھ میں کیا قوت تھی جو میں آدم کو سجدہ نہ کرتا یہ تو ہی نے بہرہ کا لیے مجھ
 میں تو کوئی قوت افغالی ہے ہی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس کمبخت نے یہاں
 اپنے فعل کو پوشیدہ کر دیا۔ یعنی خود کو مجبور محض سمجھ بیٹھا اور فعل کی نسبت
 جو اس کی ذاتی تھی اس کو واقعیت سے گمراہی محض نصیحتاً فرماتے ہیں
 کہ آدم جو ہمارے باپ ہیں اُن سے اس مسئلہ توحید افغالی کو سیکھو۔

کہ انہوں نے اپنی نسبت فعلیہ (یعنی اقصائے ذاتی) کو چھپایا نہیں
 صاف کہہ دیا۔۔۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا یعنی اے ہمارے رب ہمارے نفس نے
 ظلم کیا تھا۔ جو کہ ہم نے اُس ممنوع درخت کے پاس جانے کی جسارت
 کی۔ اگر آپ نہ معاف فرمائیں گے تو پھر ہم گھائے والوں سے ہو جائیں گے
 یعنی عفو کی درخواست کی۔ اور مکر و حیلہ توحیدِ افعالی کا یا اور کسی قسم کا
 پیش نہیں کیا۔ تو تم بھی اے ان کی اولاد یہی بات اختیار کرو اس
 ابلیس کی طرح توحیدِ افعالی کی غلط فہمی سے خود کو مجبور محض نہ بناؤ اور
 اس میں بحث و مباحثہ بجز تسلیم کے نہ کرو۔ جیسے کہ اس ابلیس نے بحث
 کرنا شروع کیا کہ میں تو سرخرو تھا۔ اے اللہ تو سچے مجھے بگاڑا۔ اور
 یہ آفت تیری ہی لائی ہوئی ہے۔ آپ فرماتے ہیں ”خبردار ایسی کج بھنٹی ہرگز
 نہ کرنا اور اس کی طرح اپنے اختیار کو ایک طرف رکھ چھوڑ کے درخت
 جبر کی ہوا کھانے نہ پھرنا۔ کیونکہ یہ باتیں ابلیس اور اس کی ذریات
 کی ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ تم اسی پر کیوں نہیں خیال کرتے ہو کہ جو
 بات تمہارے نفس کی چاہی ہوئی ہوتی ہے اس پر تو تم اختیار رکھتے
 ہو یعنی اس کو پوری کرنے کی دُمن لگاتے ہو۔ اور جو بات عقلِ سلیم کی
 ہوتی ہے اس میں اپنا اضطراب اور مجبوری جتاتے ہو۔ لہذا تم کو
 ایسا نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اپنے فعل پر بھی نظر رکھو جو تمہارے اقصائے
 اور استعداد ذاتی کی نسبت ہے۔ اور اس کے فعل پر بھی
 نظر رکھو جو کہ تمہیں اُس نے اپنی قوت کو تمہارے اس فعلِ اقصائی کے

ظہور کئے دیلے۔ اور یہ امر واقعی ہے۔ اب خواہ تم اس بات کو عقل سلیم سے خیال میں رکھو خواہ عشق کی رُو سے۔ لیکن اس کے خلاف میں نقصان اور گمراہی کا صریح اندیشہ ہے۔ اس کو نہ بھولو۔۔۔۔۔ !

حقیقت اقضاء

اب رہا ذرا سایہ خدشہ کہ اگر ہمیں اقتضائی یا استعدادی اختیار حاصل ہے تو آخر یہ اقضاء یا استعداد بھی اسی کی بنائی ہوئی ہوگی۔ اور جبکہ یہ اس کی بنائی ہوئی ہے۔ تو پھر وہی مجبوریت اور بے اختیاری ہی کیوں نہ مائی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ استعداد یا اقضاء کی تعریف اور معنی ہی یہی ہے کہ وہ کسی کا بنایا ہوا نہیں ہوتا اور محققین کے پاس بھی یہی بات مسلم ہے کہ اقضاء بلا کسی بنانے والے کے اپنی ذات کے اعتبار سے ثبوت رکھتا ہے۔ قد یعلم ما انتم علیہ تحقیق اللہ جانتا ہے تم جس حال میں بھی ہو (پہلے۔ نور۔ ع ۹) لہذا یہ مخلوق اور مجہول یعنی بنایا ہوا نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کمالات ذاتیہ کا فیضان ہے جس کا تعلق ارادہ کے پہلے ہے۔ جو کہ مرتبہ علم میں ثابت ہے۔ اور چونکہ صفت علم قدیم ہے لہذا اس کے معلومات بھی قدیم ہیں۔ اگر معلومات کو قدیم نہ کہا جائے حادث کہا جائے تو ذات حق کے متعلق تو وہ بالذات دو نقص لازم آئیں گے ایک تو حق تعالیٰ کا محل حوادث ہونا۔ دوسرا اس کا کسی مرتبہ میں جاہل رہنا۔ اور یہ دونوں بھی حق تعالیٰ کی ذات

کے لئے محال ہے۔

اب رہا یہ احتمال کہ اس کے برعکس میں دو قدیم کا ماننا لازم آئے گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں قدیموں میں ایک کی قدامت ذاتی اور وجودی ہے۔ دوسرے کی قدامت ثبوتی، علمی۔ جو کہ اسی قدیم بالذات کے علم قدیم میں ثابت ہے۔ لہذا ثنیت کا شبہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ منطوق ثنیت وجودی نسبت ہے۔ اور پھر جبکہ صفات کی کثرت سے ذات کی کثرت لازم نہیں آتی، تو مظاہر اسما و صفات کے حقائق کی کثرت ثبوتیہ سے دوئی کیسے لازم آئے گی۔ اس کی مثال اگرچہ ہو بہو مشکل ہے لیکن میں وجہ اس کو بھی ہم کہے دیتے ہیں اور اس نقص کو تیار دیں گے۔ مثلاً کسی صانع اور مصور کے ذہن میں ایک صورت اچھی ہے اور ایک بُری اب ان دونوں کی بھلائی اور بُرائی، ان کے اقتضاے ذاتی کے لحاظ سے ہوگی اور ان دونوں کمالوں کو جو کہ اس کے ذہن و خیال میں دفعہ آئے ہیں، انھیں کی نسبت ذاتیہ کہی جائے گی اس لئے کہ مصور نے عمداً کسی بھلی صورت کے اقتضا کو بُرا نہیں خیال کیا بلکہ اس کے ذہن میں دونوں صورتیں آئیں۔ اچھی صورت ہو کہ بُری لیکن یہ دونوں بھی اس کے ذہن میں رہتے تک تصویر نہیں کہلاتے۔ خیال نقش اور ذہنی صورت کہلاتے ہیں۔ لہذا یہاں یہ یاد رہے کہ یہ دونوں ذہنی صورتیں اس کے ارادہ سے خیال میں قائم نہیں ہوئیں بلکہ دفعہ ذہن میں آئیں۔ ہاں جبکہ ان کو بنانے کا خیال کیا جائے گا۔ اس وقت

ارادہ کا اعتبار قائم ہوگا۔ پھر حرکت سے اس کو نمود میں لایا جائے گا۔ اس وقت
 کہا جائے گا کہ تصویریں بنائی گئیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ان کو دیکھ کر مصوّر
 کو کوئی شخص بھی بُرا نہیں ٹھہراتا کہ کیا بری صورت بنائی ہے۔ بلکہ یہ کہتا
 ہے کہ کیا اچھی صورت ہے! کیا بُری صورت ہے! البتہ یہ کہا جائے گا
 کہ کیا مصوّر ہے! کیا کمال کیا ہے! ہو بہو ہر ایک صورت کے کمال
 کو ظاہر کیا۔ حالانکہ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ وہ صورتیں خود بخود نہیں
 بنیں بنانے سے نہیں۔ لیکن چونکہ حسن صورت کا جیسا اقتضا و تمہا
 یا جس کی جیسی بوٹ یا جس کی جیسی ساخت تھی بنائی گئی۔ لہذا مصوّر
 کا ہر صورت سے کمال ہی سمجھا جاتا ہے۔ اب اس کو ایک اور دوسری مثال
 سے بھی سمجھو۔ یہ کہ اپنے خیال میں ایک بادشاہ اور ایک مزدور کا خیال
 کرو۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ ایک اور شخص کا بھی خیال کرو اس طرح
 کہ وہ تیسرا شخص تمہارے خیال میں قائم ہو کر یہ کہے کہ یہ مزدور بادشاہ ہے
 اور بادشاہ مزدور۔ پھر دیکھو اس شخص ثالث کو فوری تم کیا خیال کرو گے۔
 یہی سمجھو گے کہ پاگل ہے دیوانہ ہے یہی قوف ہے۔ تو اب یہاں غور کرو کہ وہ
 یہ حکم تم نے خود اُس پر لگایا ہے یا یہ کہ خود اس کے احوال یا اس کے
 اقتضائے ذاتی نے۔ تو یہی کہو گے کہ اُس تیسری خیالی صورت کا حکم ہی یہی
 تھا۔ اس پر بھی اگر یہ کہا جائے کہ تم نے کیوں اس خیالی صورت کو اپنے
 ذہن میں پیدا کیا یا بنایا۔ تو آپ یہی کہیں گے کہ ہم نے پیدا کیا نہ
 بنا یا بلکہ ہمارے خیال میں یک بیک آگئی۔ اب رہا یہ امر کہ یک بیک

کیسے آگئی؟ تو اس کا جواب یہی ہو گا کہ یہ کمال خیال کا ہے۔ اس میں ارادے کو دخل ہی نہیں۔ البتہ جبکہ اس صورت متخیلہ کو ظہور میں لایا جائے گا تو اس وقت اس کے لئے ارادہ وغیرہ کا تعلق قائم ہو گا کیونکہ بلا ارادہ اور فعل کے اس کو نمود ہی نہ ہوگی۔ چنانچہ اس وقت پیدا کرنے یا بنانے کا اطلاق بھی ہو سکتا ہے۔ تو اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر شے کلبنتے سے پہلے ذہن میں ثبوت رہتا ہے۔ اور باوجود اس کے اس کو بنائی ہوئی صورت ذہنیہ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ خیال کی ہوئی چیز کہتے ہیں۔ چنانچہ کوئی کہے میرے خیال میں ایک خاص وضع کے مکان کا نقشہ ہے ارادہ ہے کہ اس کو بناؤں۔ یعنی اس مکان کا نقشہ ذہن میں تو ہے لیکن ابھی ارادہ اس کے بنانے پر قائم نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس صورت ذہنیہ کو بنائی ہوئی صورت نہیں کہتے۔ صورت خیالیہ یا ذہنیہ کہتے ہیں۔ جس کی حقیقت بلا جعل جاعل ہے۔ اب یہی بات کہ بلا دیکھے خیال میں صورت کیسے قائم ہوئی؟ تو ہم کہتے ہیں کہ ہو سکتا ہے۔ یعنی جبکہ ہم کسی امر نو کا ایجاد کرتے ہیں تو اس کی صورت بلا دیکھے ذہن میں قائم ہو جاتی ہے۔ مثلاً اسی موٹر کو لو کہ پہلے اس سواری کو کسی نے دیکھا نہ تھا۔ چنانچہ اس کے موجد کے ذہن میں اولیٰ اول یہ بات آئی ہوگی کہ ایک ایسی سواری بنانی چاہئے جو بغیر گھوڑوں کے چلے اور اس کی رفتار ایسی ہو۔۔۔۔۔ وغیرہ۔ اور اس کے بعد اس کا ایک نقشہ بنایا ہو گا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ بلا اس سواری کے دیکھے ذہن میں نقشہ قائم

ہو گیا۔ اسی طرح اور بھی بہت سی ایجادات ہیں۔ اور پھر جیسے اُس ایجاد
 کا خیال یکایک پیدا ہوتا ہے ویسے اس کے لوازمات کا تفصیلی نقشہ بھی
 خیال میں قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہ لوازمات سب اسی کے اقتضائے ذاتی
 ہوتے ہیں۔ اس موجد کے زبردستی بلا اس کے لوازمات مناسبت کے
 نہیں ہوتے، مثلاً موجد کا موٹر کو معہ اس کے لوازمات کے ذہن میں قائم کرنا
 موٹر ہی کی ذات کے لوازمات ہیں۔ بلا اُس کی مناسبت ذاتیہ کے اس نے
 زبردستی ان لوازمات کو قائم نہیں کیا۔ بلکہ جن جن چیزوں اور کل پرزوں
 کو جیسے جیسے جہاں جہاں ان کا مقام مناسب تھا۔ اسی کے موافق اُس
 کے ذہن میں بات آئی، موٹر کے اقتضا کو چھوڑ کر نہیں آئی۔ اور اسی
 وجہ سے موٹر، موٹر کہلاتا ہے۔ مثلاً موٹر اپنی وضع پر بننے کے بعد
 گھوڑوں سے چلایا جاتا تو اس کا نام کچھ اور ہوتا موٹر نہ ہوتا۔ یا اس کو
 اڑایا جاتا تو اس کا نام ہوائی جہاز ٹھہرتا موٹر نہ ہوتا۔ گویا ہر امر ایجادی اپنے
 معہ لوازمات ذاتیہ کے آپ اپنا نام پاتا ہے اور یہ اُس کے اقتضائے
 ذاتیہ ہیں۔ جو کہ خیال میں ارادہ سے پہلے آتے ہیں۔ چنانچہ
 خیال ہی میں یہ بات رہ جاتی تو کسی کو معلوم ہی نہ ہوتا کہ موٹر کیا ہے۔
 نہ اس کا موجد ہی کہتا کہ میں نے موٹر بنایا ہے کیونکہ بننے کا تعلق اس
 کے ذہن سے خارج میں آنے کا نام ہے۔ توجہ تک ذہن میں قائم
 رہے گا۔ اُس کی حقیقت بلا جعل باعمل (یعنی بلا کسی بنانے والے کے بنانے
 کے) رہے گی۔ لہذا کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہو سکتا کہ موٹر کو ایسا کیوں

بنایا۔ اس کے پھیٹے تو چھت پر رہنے چلے گئے تھے، یا یہ آدمیوں کے
 سروں پر سے چلتا ہوتا۔ یا اس کو ہوا پر اڑنا چاہئے تھا۔ کیونکہ اگر
 اس کے پھیٹے چھت پر ہوتے تو موٹر ہی کیوں کہلاتا کچھ اور ہی
 ہوتا۔ ہوا پر اڑتا تو ہوائی جہاز نام پاتا یا کچھ اور کہلاتا۔ اسی طرح
 آدمیوں کے سروں پر سے چلایا جاتا تو پھر کچھ اور ہی نام ہوتا۔ یہ تو
 موٹر ہے۔۔۔۔ اس کے جیسے اقتضاءات اور لوازمات ہونے چاہئے
 تھے وہ تو سب اس میں پورے ہیں۔ اور انھیں لوازمات کی وجہ سے
 اس کا نام موٹر ہے۔ اور اگر یہ لوازمات اس کے نہ ہوں تو موٹر
 ہی نہیں کہلا سکتا۔

اب اگر اس پر بھی ایک سوال یہ پیدا ہو جائے کہ موٹر کا خیال
 اور دوسری سواریوں کے شبہ و مشابہت وغیرہ کے اعتبار سے ہوا ہوگا
 تو اس کے متعلق ہم دو جواب دیتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کوئی سواری
 یا چیز دنیا میں سب سے اول اختراع پائی ہوگی وہ کس کے اشتباہ سے
 مخترع ہوئی ہوگی؟ اور بالفرض اسے بھی مان لیا کہ اس کے بھی کوئی ذریعہ
 ہوں گے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مثال علم مخلوق کی ہے جو کہ مخلوق ہے اور
 حادث۔ اور ہم تو یہاں اس کے علم کے معلومات کے حقائق کہہ رہے
 ہیں جو کہ خالق اور مبدع ہے جس کے لئے کسی شے کے ابداع اور
 اختراع کے لئے مشابہت اور مماثلت کی ضرورت ہی نہیں۔ ورنہ وہ
 حجابی اور قائم بخود اور علیم بالذات کیوں ہونے چلا۔ نحوذ باللہ۔

لہذا اس مثال میں اس کی شان بے مثالی کے اعتبار کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔
 اس پر بھی اگر کوئی کہے کہ ہمیں یہ بات کچھ ٹھیک نہیں تو اس کا جواب یہی
 ہوگا کہ تقسیم عقل کے وقت حضرت تشریف نہیں رکھتے تھے کہئے اس کے
 سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ رہا یہ سوال کہ اس کا نقشہ اسی طور پر کیوں
 خیال میں آیا؟ تو اس کا اقتضاء اسی طور پر تھا، اسی طور پر خیال میں
 بھی آیا۔ اور یہ کمال خیال کا ہے۔ اس کو بدل کیوں نہیں دیا گیا؟
 ہوا پر اڑنے کو لوازمات کیوں اس کے لئے نہیں لگائے گئے؟ اس لئے
 نہیں لگائے گئے کہ یہ موٹر ہے اور جس کو وہ لوازمات دے گئے وہ تو
 ہوائی جہاز ہے۔ چنانچہ اس کا اقتضاء ویسے ہی خیال میں قائم
 ہوا ویسا ہی وہ بنا بھی۔ اقتضاء کو کیوں نہیں بدل دیا گیا؟ اس لئے
 نہیں بدل دیا گیا کہ ان کے حق میں اقتضاء کے بدلنے سے ظلم ہوتا۔
 موٹر کا کمال اور ہے ہوائی جہاز کا اور۔ اب رہا یہ کہتے کہ کیا یہ ظلم
 نہیں ہے کہ موٹر تو زمین ناپتی پھرے اور ہوائی جہاز ہوا میں مڑے
 اڑائے۔ تو یہ کہا جائے گا کہ ہرگز ظلم نہیں۔ اس لئے کہ یہ لازم خود انھیں
 کے ہیں۔ ایک موٹر بن کر اپنا کمال دکھاتا ہے اور ایک ہوائی جہاز
 بن کر۔ اور اس پر بھی اگر اس کو مصیبت ہے تو یہ اسی کے لازم ذاتیہ
 کی ہے۔ اس کا الزام موجد پر کیسے؟ کیونکہ موٹر نے اپنا اقتضاء آب
 پیش کیا۔ اور موجد نے اس کے اقتضاء کو جیسا کہ وہ محقق اجانا۔
 موجد نے کیوں ایسا خیال کیا؟ اس کا خیال کمال تھا جس کو جیسا

خیال کرتا تھا ویسا خیال کیا۔ اس کے خلاف وضع یا اقتضا و کرتا تو البتہ
 مورد الزام ہوتا۔ ایسا تو ہے نہیں۔ اب رہا یہ کہ آخر بنا یا تو دونوں کو
 بھی اسی نے؟ ہاں بنا یا تو اسی نے اگر وہ نہ بناتا تو یہ کیسے بنتے؟ تو پھر
 یہ ساری بلا اسی کی ڈالی ہوئی کیوں نہ کہئے؟ ہرگز نہیں! ہم نے کئی مرتبہ
 کہہ دیا ہے کہ اس کا بنانا اس کے اقتضا و ذاتی کے خلاف ہوتا تو
 اس وقت الیبتہ ظلم ہوتا۔ اور بے بنائے تو وہ بن بھی نہیں سکتا تھا۔
 یہ تو اس موجد کا مزید احسان ہے کہ اُس نے اُس چیز کو جو فقط ثبوت
 میں تھی۔ خارج میں بنا چھوڑا۔ یہ اس کے فضل کی بات ہے۔ ان کا تو
 کچھ اس پر استحقاق بھی نہیں تھا۔ اور اس پر بھی کچھ گنجائش سوال
 ہوتی تو جب ہوتی کہ اس کی وضع یا لوازم کے خلاف بناتا اور یہ ثابت ہے
 کہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ **وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاسْمَعَهُمْ**
 یعنی اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو البتہ اُسے سنتا یعنی اس کا
 اظہار کرتا ثابت ہے۔ لہذا جیسا جس کو بنانا تھا اور جو جیسا اس کے
 ذہن میں ثابت تھا بلا کم و بیش بنایا۔ اور ذہن میں ان کا ثبوت اُس کے
 خیال اور علم کا پر تو ہے۔ اور اس کا علم ناقص نہیں۔ ہر طرح اور ہر اعتبار
 سے کامل ہے۔ اسی طرح جیسے اس کے بلا ارادہ نہیں بنے ویسے بلا اعتبار
 اقتضائات اُس کا ارادہ بھی ان کے ساتھ نہیں ہوا تاکہ ان کے حق
 میں ظلم نہ ہو اگرچہ موجد اس پر بھی قادر ہے۔ مگر اس کے اقتضا کی رعایت

عین عدل اور حکمت ہے۔ الغرض یہ مسئلہ کہ اقتضاء غیر مخلوق اور غیر مجبور
 ہے بالکل درست ہے۔ اور پھر یہ بات انھیں مخلوقات کی تمثیلوں سے
 جو کہ باعتبار خلقت بہت سی کمزوریاں رکھتے ہیں، ایک حد تک ثابت ہے
 تو وجد حقیقی، عالم حقیقی کے صور معلومات کے اقتضاءات اور احوال
 کیسے مخلوق اور مجبور ہوں گے۔ جس کا علم اٹل ہے۔ البتہ ان کے احوال
 اور اقتضاءات اس کے کمال علم کی وجہ سے ثابت ہیں۔ اور ان کا ثبوت
 اس کے علم حقیقی میں اس کے فیضانِ علمی سے محقق۔ اور مخلوقیت و مجبوریت
 کا تعلق ارادہ کے بعد کی نسبت ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ عجز و
 اضطراب کی نسبت اس کی طرف کی نہیں جاسکتی۔ اور اسی طرح اُن کے
 ان اقتضاءات و احوالات کے ساتھ ظہور اور خلق (پیدا ہونے) سے
 اس کو ظالم اور جابر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جیسا ان کا اقتضاء تھا ویسا
 جاتا۔ اور جیسا جانا ویسا بنایا اور ایسے ہی حقیقتِ صور معلومات بلا اقتضاء
 و احوال کبھی نہیں جاسکتی۔ اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدیٰ ط
 دی ہر ایک شے کو اس کی قابلیت۔ پھر اس کو ہدایت کی (پ ۱۶)۔ سورہ
 طہ (ع ۲) اور اسی طرح ان کے مخلوق ہونے سے (خلق کو) مجبور محض
 خیال نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ”قل کل یعمل علیٰ شاکلہ“ کہہ دو کہ
 ہر کوئی اپنے کینڈے (یعنی حسب اقتضاء) غل کرتا ہے۔ (پارہ ۱۵)
 نبی اکرم (صلی علیہ وسلم) کے اعتبار سے انھیں اختیار حاصل ہے۔ چنانچہ اسی
 اقتضائی اعتبار سے کہا گیا: ”ذاتنا کم من کل ماسا لمودہ“ یعنی ہم نے

دی دیا (جو کہ تم نے بزبان اقتضاء و احوال) مانگا۔ اور اسی اعتبار سے
 مَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَا كُنْ كَاذِبًا عَلَيْهِمْ يُظْلِمُونَ ۝ یعنی اللہ نے ان
 پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ بلکہ وہی اپنے نفسوں پر ظالم تھے (پارہ ۲۰ عنکبوت
 ص ۴) ثابت ہے۔ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔

یاد رہے! کہ کتاب و سنت کا یہی قانون ہے اور سارے محققین کا
 یہی مسلک ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ اکبر حضرت مولانا رومؒ و حضرت مولانا
 جامیؒ وغیرہ سب اسی کے قائل ہیں۔ بوجہ طوالت حوالے نہیں دے گئے۔
 حضرت جامیؒ

کے دہر دستِ جبلِ جاغل را کہ موافق کتدِ قوایل را
 یعنی کسی جبلِ جاغل کو یہ موقع نہیں کہ ذواتِ ممکنات کے اقتضات
 کو برابر سربرا کرے۔

الجمال کسی کو یہ کہنا کہ اقتضاء و بھی اسی کا مخلوق (یعنی بنایا ہوا ہے)
 ہرگز درست نہیں کیونکہ حق تعالیٰ اس الزام سے بری ہے۔ یہ صرف علمِ ظنی
 یا وہم کا حکم ہے۔ جو اقتضاء و علمِ بشری ہے۔ چنانچہ یہی بات کفار اور
 مشرکین برب بھی کہتے تھے۔ یہ کہ اگر حق تعالیٰ نہ چاہتا تو ہم اور سچا
 آباد و اجدادِ شرک ہی نہ کہتے: "سَيَقُولُ الْمَذِينُ اشْرَكَ الْوَسْطُ مَا لِلَّهِ مَا
 اشْرَكَ كَمَا وَلَا آبَادُ وَلَا جَعَلْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ كَذَبَ الْكُذِبُ مِنْ
 قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ اذْاَقُوا بِاسْنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخَرِّجُوهُ لَنَا ط
 اَنْ تَتَّبِعُونَ الْاِلٰهَ الْظَنِّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَحْرُصُونَ ۝ قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ
 نور النور

البتہ کہیں گے وہ لوگ جو شریک لیتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا نہ شریک کرتے ہم
اور نہ ہمارے باپ (دادا) اور نہ حرام کہتے ہم کچھ۔ اسی طرح جھٹلایا
اُن لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔ یہاں تک کہ چکھا انہوں نے ہمارا
غذاب۔ کہہ کیلئے تمہارے پاس کچھ علم۔ پس نکالو گے تم اس کو ہمارے
واسطے۔ نہیں پیروی کرتے ہو تم، مگر گمان کی اور نہیں ہو تم
مگر اٹکل مارتے۔ کہہ پس اللہ کے لئے ہے دلیل پہنچی ہوئی۔ (پارہ ۸
العام ص ۱۸)۔ لہذا ہم مجبور ہیں ہمیں کچھ اختیار نہیں.....!۔
جس پر حق تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا ان کے پاس اس بات کا
(یعنی یہ کہ حق تعالیٰ نے نہ چاہا) علم ہے؟ مطلب یہ کہ ان کو اس
کا علم ہی نہیں ہے، فقط اٹکل مار رہے ہیں۔ (یعنی ان کو اس نے
اقتضات کا علم ہی نہیں ہے) جس کی وجہ سے خود کو انہوں نے مجبور محض
سمجھ لیا۔ یا یہ کہ اقتضاء کو مخلوق اور محجول سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا
نہیں ہے۔ ہم نے تو جیسا کہ ان کا اقتضاء تھا ویسا بنایا۔ لہذا اسم اس
الزام سے بری ہیں۔ اور یہ اس غلط علم کی وجہ سے خسارہ میں پڑے ہیں
اور گمراہ۔ چنانچہ ایک جگہ حق سبحانہ تعالیٰ نے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے
لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ط اگر حق تعالیٰ محض اپنے اقتدار سے
چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔ (یعنی تمہارے اقتضاء کے خلاف تم کو
ہدایت نہ راست کی دیدیتا) پھر کیوں نہیں دیا؟ اس وجہ سے ہمیں
دیا کہ تم اپنے اقتضات کے ساتھ ہمارے علم کامل میں ثابت تھے۔

تو تم اس حال میں بھی یہ اعتراض کرتے کہ ہم کو ہمارے اقتضاء ذاتی کے اعتبار سے بنانا تھا جو کچھ ہمارا اقتضاء تھا ہم مصلحت لیتے۔ یہ آپ نے کیوں ہمارے اقتضاء کے خلاف کیا۔ لہذا چونکہ ہم کامل ہیں اور ہمارا علم کامل ہمارا معائنہ کامل اولیٰ آخر سب ہمارے پاس یکساں اس لئے ہم نے نہیں چاہا۔ یہ ہمارا عدل و کرم ہے کہ باوجود اقتدار کے ایسا نہیں کیا سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۵

اب رہا یہ سوال کہ آیا وہ اس اقتضاء و استعدادی اختیار کا حلقہ بھی کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ برابر کر سکتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ بات ان کی صفت عدل و حکمت کے خلاف ہے لہذا باوجود اقتدار کے اس کے خلاف نہیں کر سکتے اِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۵ (پارہ ۱۰ انفال ۷۷) یہ ان کا کامل فضل و عدل ہے اور پھر اس کے خلاف کی گنجائش تو جب ہوتی کہ ان کا علم (نحو بالذات) ناقص ہوتا یا کامل شائد نہ ہوتا۔ حالانکہ ان کا علم کامل شائد ہونے کے علاوہ کامل و مکمل ہے۔ اسی طرح ان کی حکمت اُعلیٰ لہذا جو کچھ کیا خیر ہی کیا۔ جو کچھ کرتے ہیں خیر ہی کرتے ہیں جو کچھ کریں گے خیر ہی کریں گے۔ وَتَعْتَسَمُ مِنۡ تَشَآءُ وَّتُزِيلُ مِّنۡ تَشَآءُ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ۵

اِقْصَةُ اقْتِضَائِیْ اختیار کو ملحوظ رکھ کر نظر پر افعال الہیہ رکھنا تو حید افعالی ہے اس لئے کہ کثرت افعال ذوات خلق اقتضاء و استعدادی نسبت ہے اور وحدت فعل ان کو وقوع میں لانے والی نسبت۔ چنانچہ اسی اعتبار سے

حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ۵

گرچہ تیرا کماں بھی گیزد از کماندار بیند اہل خرد
نفیر اس خصوص میں اور تفصیلی بحث کرتا۔ لیکن چونکہ یہ ایک
مختصر نسخہ ہے گنجائش نہیں۔ اور غافل کے لئے تو یہ بھی بہت ہے۔
الْحَاقِلُ تَكْفِيَةً لِلاِشَارَةِ ۵

غرض وحدۃ الوجود تو یہ ہے کہ سارے عوالم کی ذات واقعی
اور حقیقی طور پر ثابت ہے۔ اور جیسے اس میں لوازم غیریت واقعہ ثابت
ہیں اور اُس کے اثرات ویسے ہی عالم آخرت کا بھی حال ہے۔ جنت
دوزخ، ستراء، جزا، قیامت وغیرہ سب واقعی اور برحق ہیں۔ اور جیسے
اس عالم کا بلا تجلیات الہی ظہور نہیں۔ جیسے یہ عالم مختلف وجود ویا وہ
عالم بھی محتاج وجود اور کیا اس عالم نے وجود اضافی یا جاننے سے اپنے
حقایق کو بدل دیا ہے جو کہ وہ عالم بدل دیکھا۔ یہ تو ساری اٹکل ہے۔
قتل الخراصون ۵ ہلاک ہو گئے اٹکل مارنے والے (پارہ ۲۲ ذرا پڑھا
ع ۱)۔

یادر کھئے اسب اشیاء کے حقایق واقعی ہیں اور سب اللہ کے
وعدے وعید حق۔ انت الحق وعدك الحق ولقاء الحق وقولك حق
والجنة حق والمارح حق والنبيون حق ومحمد حق والساعة حق الخ
(بخاری و مسلم عن ابن عباس) اے اللہ تو حق ہے اور تیرا وعدہ بھی حق
ہے اور تیرا دیدار بھی حق ہے اور تیرا قول بھی حق ہے اور جنت بھی حق ہے

دورخ بھی حق ہے سارے انبیاء بھی حق اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی حق
ہیں اور قیامت بھی حق وغیرہ

لہذا اس سے ساری باتوں کو مد نظر رکھ کر

جو کوئی بھی ان اعتبارات کی کامل تحقیق کر کے ہر پہلو سے باخبر ہو گا ذاتِ معلومت
کو موجود حقیقی کا آئینہ بنائے گا مخلوق میں خالق کی تجلی کا مشاہدہ کرے گا
گویا اس نے عالم سے عالم کو جانا۔ ظلمت سے نور کو پہچانا۔ ظلمت کو ظلمت
ہی جانا۔ نور کو نور۔ عالم کو عالم ہی جانا۔ عالم کو عالم۔ ہر ایک کے مراتب
جیسے تھے ویسے رکھے۔ دیکھنے کی چیز کو دیکھا۔ جاننے کی چیز کو جانا
اور یہ جو کچھ بھی کیا اُسی کی قوت سے کیا۔ اُسی کے علم سے جانا اُسی
کے نور سے پہچانا۔ اُسی کے دکھانے سے دیکھا۔ اُسی کے بتانے سے
پایا۔ اُس کی پرکھ بہتر، اس کی جانچ اعلیٰ اُس کا شاہد قرآن :

سنزیم ایتنا فی الافاق دنی انفسم حتیٰ یتبین لهم انه الحق
عقرب ہم اپنی نشانیاں آفاق اور انفس میں بتا دیں گے یہاں تک
کہ (یہ بات) کھل جائے گی ان پر کہ (ان آفاق اور انفس میں) وہی حق
ہی حق ہے۔ (پارہ ۲۵۔ حم السجدہ۔ ۶۷)

سبحان اللہ! کیسی شہادت ہے، گویا ہر قطعی ہے اور ہمارے
سارے بیان کا مفصل اجمال۔ یعنی یوں سمجھو کہ ہم نے اسی کی تحقیق کی ہے
اور اسی کی تفصیل، کیونکہ اس آیت میں تین باتیں ہیں :- آفاق انفس

حق، چنانچہ ارشاد پاک ہے کہ جو کوئی دیکھنا چاہے گا اس کو ہم غنقریب اپنی
 نشانیاں بتلا دیں گے (کہاں بتائیں گے؟ قیامت ہی میں نہیں) بلکہ ان
 ہی آفاق اور انفس میں بتائیں گے۔ کس طرح بتائیں گے؟ اس طرح بتائیں
 کہ آخر کار ان دیکھنے والوں پر بالکل یہ راز کھل جائے گا کہ ہم (یعنی
 حق تعالیٰ) ہی ان آفاق اور انفس میں ظاہر ہیں (آفاق اور انفس
 کبھی حق نہیں ہیں، بلکہ آفاق اور انفس میں ہم ہیں۔ یعنی وہ ہمارے
 مظاہر ہیں)۔ واضح ہو کہ آیات (یعنی نشانیاں) ذات الہیہ کی
 افعال و صفات الہیہ ہی ہیں۔ اور ذات الہیہ خود بخود موجود ہے اور
 اس کی ذات ہمیشہ مطلق ہے۔ حضرات! اب تو بالکل صاف طور پر ثابت
 ہو گیا کہ آفاق اور انفس کے ذوات کی صورت سے خود ہی خود بدولت
 متجلی ہیں۔ چنانچہ خود ہی اس کی تفسیر بھی فرماتے ہیں :- اُولَئِكَ
 بِرَبِّكَ اِنَّهٗ عَلٰٓ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ط اَلَا اَتَمُّ فِی مَرِیۡۃٍ
 مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّہِمُ اَلَا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ حَیۡطٌ یعنی کیا تمہیں (تمہارا) خدا
 کافی نہیں ہے کہ بالتحقیق وہ ہر شے پر حاضر (موجود) ہے۔ (اب چونکہ پھر
 دہم بشری عالم ہو کہ محال جانے کا ڈانٹتے ہیں، یہ کہ) سن رکھو! وہ لوگ
 (یعنی تشکی) اپنے رب کے دیدار کے متعلق شک میں پڑے ٹامک ٹوٹے
 مارتے ہیں۔ (پھر) سن رکھو! کہ وہ بے شک و گمان ہر شے پر گھیرا کئے
 ہوئے ہے (پارہ ۲۵ - جم السجدہ - ۶۷)

مفسرین نے اگرچہ اِنَّہٗ الْحَقُّ کے کئی معنی کئے ہیں، مگر ساتھ ہی

اس کے حق سے ذات حق کی بھی مراد لی۔ اور اس کی روایت بھی قال کی ہے۔ جس کی سند پر زور ہے اور سیاق و سباق کا رنگ بھی یہی ہے جس سے اس کا ثبوت ہوتا ہے باقی تاویل..... (دیکھو تفسیر معالم التشریل) اور ہاں اس آیت میں حق تعالیٰ کے دیدار کا جو ذکر ہے وہ اسی عالم کے دیدار کا ذکر ہے۔ جو کہ باعتبار تعین و تشبیہ دل کی بصیرت کے کھل جانے کے بعد ہوتا ہے۔ کیونکہ ”سبزیہم“ سے یہیں (قریب) کا اشارہ ہے۔ جس قریب کا تعلق اسی عالم سے ہے رہا دیکھنا کیسا ہوگا؟ ہم کیسے دیکھیں گے؟ اور اس عالم میں کیسے دیکھیں گے؟ ان سبھوں کا جواب خود حق تعالیٰ نے دیا ہے یہ کہ ”ہم دکھائیں گے“ اور ”اسی عالم میں دکھائیں گے“ البتہ آفاق اور انفس کے آئینوں سے دیکھنا ہوگا اور یہ بات ہماری حق ہے اب اس پر بھی شک آگیا محالات عقلیہ کا خیال پیدا ہوا، تو لاجول پڑھ لو۔ اور پھر یہ بھی فرما دیا کہ ”ہم ساتھ رہ کر دکھائیں گے“ اور ہر شے کے اوپر موجود رہیں گے۔ تمہارا خیال حلول و اتحاد بھی نہ ہوگا کیونکہ اشیاء کی حقیقت ہماری معلوم ہے۔ حلول شے خارجی یا حسی میں ہوتا ہے جو کہ بالاستقلال موجود ہو اور ویسی شے تو کوئی ہے بھی نہیں۔ اور جو ہے تو وہ ہم ہی ہیں۔ اب بھی اگر وسوسہ تمہارا بیچھانہ چھوڑے تو یہ یقین کر لو کہ ہم ہر شے پر گھیرا کئے ہوئے ہیں۔ اور گھیرے یعنی احاطت کی بات اگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو اس میں اپنا معقولی اتحاد نہ لگا بیٹھو۔ یہ تمہاری فرضی شکل ہے۔

ہم کو اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں! اس پر بھی اگر یقین نہ ہو تو
 جاؤ کسی باخبر سے پوچھ لو۔ الترحمن فاسئلہ خیرا
 کیونکہ ہمارا (یعنی اللہ کا) معاملہ ہے اور تمہارے پیچھے دوسو سو کا دشمن
 لگا ہوا ہے۔ ہاں یہ سہی بالکل سہی کہ ہماری تنزیہ میں فرق نہ آئے ورنہ
 تنزیہ چھوڑ کر تشبیہ محض میں پر جاؤ گے۔ یعنی خود ہمیں کو آفاق اور
 انفس سمجھ جاؤ گے اور یہ خرابی کئی بات ہے اور جہنم کا راستہ۔ اب
 رہی یہ بات کہ اتنی جان جو کھوں میں کیوں پڑیں۔ تو آبجیات ظلمات ہی
 میں ہے۔ اگر ہم سے ملنا ہے اور اس کی خواہش ہے تو اس مصیبت کو
 بھی اٹھاؤ۔ اور جو ہمیں سے ملنا نہیں ہے تو بس..... پستے بادام
 ہی پر اکتفا کرو ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا الٰہی جنت میں ادھر ادھر
 اڑتے پھرو۔

یہاں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ اس میں الفاظ تنبیہ جو کہ
 آئے ہیں وہ کسی گمراہ لوگوں کے لئے نہیں ہیں، جیسے اکثر جگہ قرآن پاک
 میں آیا ہے۔ بلکہ یہاں اہل ایمان کو بزور سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ
 اس بات کو یہ یقین کامل جان لیں، شک میں نہ پڑیں۔ یہ اس کی
 غایت ہر بانی ہے۔

اب یہاں تمہیں ایک دوسرا گواہ سنت کا بھی ملے گا جس کے
 سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ وہ گواہ یہ ہے۔ ان تعبد اللہ کانک
 تراہ یعنی ایسی عبادت کرنا اللہ کی گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ دیکھو
 نور النور

کس طرح اس آیت کے فہم خاص کی یہ حدیث مصدق ہے۔ الحمد للہ

اصطلاحات

ناظرین! ایک یہ بحث اصطلاح اور اعتبارات مختلفہ کی بھی ملاحظہ فرمائیے جس سے اس مسئلہ کی مشکلات میں الجھنیں پڑ گئیں اور خود حضرات صوفیہ میں ایک وجود ہی اور ایک شہودی کائنات قائم ہو گئی۔ اور یہ صرف اس وجہ سے ہوئی کہ اکثر اس میں فلسفیانہ اصطلاحیں بھی شامل ہوتی گئیں اور احوال بھی قلمبند ہوتے گئے۔ مطابقت کی فکر کی نہیں گئی۔ اعتبار کا خیال رکھنا نہ کیا۔ حالانکہ بات دونوں کی محمول ہے۔ منشاء دونوں کا صحیح چنانچہ اہل شہود کا یہ غلط ہے کہ ذات خلق کی نفی نہ ہو اور حق تعالیٰ کا شہود بھی ہاتھ سے نہ چلائے۔ اور ہے بھی یہ بات درست۔ اور یہی ہونا بھی چاہئے۔ جیسا کہ گزرا۔ اور بات یہ ہے کہ چونکہ اس زمانے کے اکثر لوگ مسئلہ وحدۃ الوجود سے غلط اعتبار لے کر نفی مرتبہ خلق کر جاتے تھے اس لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو اصطلاح بدلتی پڑی۔ اب یہی یہ بات کہ مطابقت کرنی چاہئے تھی تو اس وقت کا تقاضہ ہی ایسا تھا، لہذا بجائے مطابقت کے الفاظ بدل دئے مضمون چونکہ وہی رہنا تھا، وہی رہا بھی۔ یہی حال محققین اہل وجود کا بھی ہے کہ نفی ذات خلق نہ ہو اور باوجود اس کے آئینہ خلق ہی میں شہود حق بھی نقد م ہو جائے۔ اور یہی اصلیت بھی ہے اور یہی قرآن کا منشاء

اور یہی سنت بھی ہے۔ یہی بزرگان دین کا قانون۔ لیکن مزید مطابقت کے لئے ہم ان دونوں کے اقوال ہی کو قلمبند کئے دیتے ہیں۔

یہ کہ حضرات وجودیہ کے امام حضرت سیدنا شیخ اکبر محمد محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ فرماتے ہیں :- نفی مرتبہ امکان (یعنی مرتبہ خلق) صحیح نہیں اور اس کو ثابت نہیں کرتے مگر علماء باللہ خاصہ والمحقق یشیت الامکان ویعرف حضرتہ یعنی محقق ثنابت کرتا ہے مرتبہ امکان (یعنی مرتبہ خلق) کو اور پہچانتا ہے مقام امکان کو..... وغیرہ چنانچہ فرماتے ہیں :- ولا یعلم هذا التفصيل الا العلماء باللہ خاصہ ط (فصوص الحکم - فص دوم)

اسی طرح فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں :- وہ (یعنی حق تعالیٰ) اشیاء کا عین ہے باعتبار ظہور باعتبار ذوات عین نہیں۔ وہ وہی ہے اشیاء اشیاء..... ہو عین الاشیاء فی ظہورہ لا فی ذواتہا بل ہو هو والاشیاء اشیاء دیکھئے کس طرح مرتبہ خلق کا اثبات باوجود عینیت کے واقعی طور پر ثابت فرما رہے ہیں۔ اب ایسا ہی حضرات شہودیہ کے امام حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دیکھئے کہ باوجود غیریت کو واقعی طور پر ثابت کرنے کے عینیت کا کس طرح اثبات فرما رہے ہیں اور وحدۃ الوجود کے قائل۔ باوجود اس کے آپ وحدۃ الشہود کے قائل ہیں اور شہودیہ کے امام۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔

(اصل فارسی کا ترجمہ) ”وعدت وجود بھی نفس امری ہے اور تعدد وجود بھی نفس امری، لیکن چونکہ جہت اور اعتبار مختلف ہے اجتماع نقیضین مرفوع ہے“ (اس کے بعد ایک مثال صورت اور آئینہ کی دیتے ہیں، اور پھر اس کے بعد یہ دوسری مثال دیتے ہیں) فرماتے ہیں کہ ”دوسری مثال نقطہ جوالہ کی ہے جو کہ باعتبار توہم و تخیل خارج میں بصورت دائرہ ثبوت پیدا کیا ہے۔ اب یہاں عدم حصول دائرہ بھی خارج میں نفس امری ہے۔ اور حصول دائرہ بھی خارج میں باعتبار توہم و تخیل نفس امری، لیکن عدم حصول دائرہ مطلق نفس امری ہے۔ اور حصول دائرہ باعتبار ملاحظہ توہم و تخیل نفس امری، پس اول مطلق ہے اور ثانی مقید۔ لہذا اس اعتبار سے جس کو ہم یہاں بیان کر رہے ہیں وعدت وجود مطلق نفس امری ہوگا۔ اور تعدد وجود باعتبار توہم و تخیل نفس امری۔ پس لجاجا اطلاق و تقید ان ہر دو نفس امری میں تناقض، اور اجتماع نقیضین ثابت نہیں“ (جلد دوم مکتوبات) اس کے علاوہ اور متعدد مکتوبات میں بھی اس مضمون پر اسی نقطہ جوالہ اور دائرہ کی مثال دی ہے۔ بوجہ طوالت حوالے نہیں دے سکے۔ جس کو ضرورت ہو مکتوبات کی جلد دوم و سوم میں تلاش کر لے۔ مزید برآں اس خصوص میں ایک اور قول آپ کا ہم یہاں بخشہ درج کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”ازیں تحقیق معلوم گشت کہ عالم در خارج موجود است
 بوجود ظلی۔ چنانچہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ در خارج موجود است
 بوجود اصلی۔۔۔۔ الخ (جلد دوم مکتوبات اول)

یعنی کچھ مضمون کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ عالم خارج
 میں (حق تعالیٰ کے) وجود ظلی سے موجود ہے جیسا کہ حق تعالیٰ خارج میں
 وجود اصلی سے موجود ہیں، غرض ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ عالم ان کے
 پاس بھی خارجی ہے تو موجود بذاتہ نہیں۔ وہی ہے تو محض وہی اعتباری
 (یعنی غیر واقعی) نہیں، بلکہ واقعہ ہے جس کی حقیقت ثابت ہے۔ ورنہ
 محض اعتباری (یعنی ہمارے اختیار کرنے سے ہے اور ہم اختیار نہ کریں تو
 نہیں ہے) یہ بات نہیں.....! کیونکہ یہ بات تو بالافتقار سو فسطائیہ
 اور لمحہ دین کے عقیدہ کی ہے۔ حضرت جامیؒ

سوفسطائی کہ از خود بخیر است گوید عالم خیال اندر گزراست

آہ عالم ہم خیال است وے پیوستہ در حقیقے جلوہ گراست

تو اب یہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ سرآمد شہود یہ بھی یہی فرما رہے
 ہیں کہ ”حق تعالیٰ موجود خارجی ہے بذاتہ اور عالم اسی کے وجود ظلی سے موجود۔
 گو عالم بھی خارجی ہے مگر چونکہ اسی کے وجود ظلی سے موجود ہے، لہٰذا اس کی
 موجودیت کو حقیقی ذاتی نہیں، لیکن وہی محض بھی نہیں۔ بلکہ ایسی وہی
 کہ جس کی حقیقت واقعہ ثابت ہے۔ چنانچہ تمثیل مذکور میں انہوں نے
 انھیں باتوں کی رعایت بھی رکھی۔

دیکھئے حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ جو سراسر اہل حضرات وجود یہ ہیں
 وہ اور یہ (یعنی حضرت مجدد صاحبؒ) ہر دو کس طرح اصل مسئلہ میں متبی ہیں۔
 اور تمثیل سے تو بات کھلی ہوئی ہی ہے۔

ناظرین! اب ہم یہاں اہل وجود اور شہود کی خاص خاص اصطلاحوں کو بھی پیش کرتے ہیں۔ اور اُس کے ساتھ ہی ان کی عدم تحقیق یا عدم تطبیق سے جن حضرات کو چک ہو گیا ہے وہ بھی غرض کئے دیتے ہیں، تاکہ پوری پوری سلجھن ہو جائے۔

حضرات وجودیہ کی محققانہ اصطلاحیں

کاملین محققین جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں ان کی دو اصطلاحیں ہیں اور یہ دونوں کو بھی برتنے ہیں اور اس کی تحقیق سے بھی محقق۔ پہلی اصطلاح۔ ایک وجود ایک ذات، عینیت حقیقی غیریت اعتباری واقعی (وجود بمعنی ہست) ایک ذات منظر یعنی ذات موجود وجودی یعنی حق تعالیٰ باقی سارے ممکنات یعنی خلق جو کہ اُسی کے مظاہر ہیں جن کو تعینات کہتے ہیں، چنانچہ غیریت اعتباری واقعی کا تعلق ان ہی کی ذوات سے ہے۔

دوسری اصطلاح۔ وجود ایک ذات دو (وجود بمعنی ہست) ایک ذات قدم یعنی حق تعالیٰ دوسری ذات عدم، جس کو عدم اضافی کہتے ہیں یعنی خلق۔ عینیت حقیقی اصطلاحی وجوداً غیریت حقیقی اصطلاحی ذاتاً۔ یہ دونوں اصطلاحیں اپنے اپنے مفہوم صحیح کے اعتبار سے محققین کے پاس ایک دوسرے کے مترادف ہیں۔ صرف برتاؤ کے طریقے باعتبار تفہیم جدے ہیں اور یہ دونوں کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ یعنی از روئے حقائق

جبکہ تعلیم کرتے ہیں تو پہلی اصطلاح کے ساتھ کرتے ہیں اور از روئے معارف
 دوسری اصطلاح کے ساتھ۔ لیکن مفہوم ہر دو اصطلاح کا واحد۔ مثلاً
 وجود سے ہمت مراد لیتے ہیں اور ذات سے ذات موجود وجودی جس کا
 وجود ذات ایک ہی ہے۔ یہ ایک وجود ایک ذات کا اعتبار ہوا۔ اب
 چونکہ اس کا ظہور غیریت ہی سے والبتہ ہے۔ لہذا اعیان ثابۃ کی غیریت جن کی
 حقیقت کا ثبوت واقعی ہے ثابت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہی اعیان ثابۃ حقائق
 مظاہر یعنی مخلوقات ہیں جن کا منظر حق تعالیٰ ہے۔

اسی بناء پر کہتے ہیں کہ حق کبھی خلق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ حقیقت
 حق وجود محض ہے اسی طرح خلق کبھی حق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کی حقیقت اعیان
 ثابۃ ہے اور اعیان ثابۃ صور علمیہ ہیں جو کہ واقعہ غیر ہیں۔ اس لئے کہ
 حق تعالیٰ نے اپنے علم حقیقی ازلی میں اپنا غیر جانا ہے۔ چنانچہ یہی رازان کی
 غیریت اعتباری واقعی کا ہے (یعنی بمعنی حقیقی اصطلاحی) کیونکہ حق تعالیٰ
 کا غیر جاتا ہوا ہے اور اس کا علم واقعی ہے لہذا حقائق کا منقلب ہونا
 محال۔ اب اس سے یہ بھی معلوم کرو کہ حق کے خلق نہ بننے اور
 خلق کے حق نہ بننے کی وجہ بالکل صحیح ہے۔ یعنی یہ بات زبردستی فرضی
 اسکل کی اور نیادہنی نہیں۔

ہو شیار یا مقلدین کو جو محض کتابی طور پر تحقیق کے مدعی ہوئے
 اسی مقام پر غرض ہو گئی جس کی وجہ اعتبار کا نہ سمجھتا ہے۔ یعنی انہوں نے
 غیریت اعتباری سے دو معنی سمجھے ایک تو یہ کہ ہمارا اعتبار ہے
 نور النور

ہم سمجھیں تو غیر ہے، نہیں تو نہیں، حالانکہ ہم کیا اور ہمارا اعتبار کیا! وہ تو علم حق کا اعتبار ہے جو واقعی اور نفس الامری ہے۔ دوسرا معنی انہوں نے یہ لیا کہ اعیان ثابۃ جو کہ حضرت علم میں مندرج ہیں وہ حق تعالیٰ کے مامیتہ عین ہیں، اور اسی اعتبار سے غیریت اعتباری محض سمجھ دیجئے۔ الحاد کا راستہ کھل گیا۔ حالانکہ کسی محقق کا بھی یہ مفہوم نہیں نہ یہ ان میں سے کسی کی یافت نہ کسی کا مشاہدہ۔ چنانچہ محققین کے امام فرماتے ہیں۔

(حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ)

العبد عبدٌ دان ترقی التَّربُّدُ دان تنزل
یعنی بندہ باوجود ترقی کرنے کے پھر بھی بندہ ہی ہے (اسی طرح) ربُّ باوجود تنزل کرنے کے پھر رب ہی ہے۔

اور پھر ذرا اس مثال کو غور نہ کرو جو نہایت بدیہی ہے۔ مثلاً ہمارے علم میں کتا ہے، بندہ ہے، شیر ہے، بلی ہے، گیدڑ.... وغیرہ — تو کیا خودِ اللہ ہم ان کے عین ہو کر کہتے، بندہ، شیر، بلی، گیدڑ وغیرہ بن گئے....؟ اور پھر ہم تو باوجود اس کے کہ اُس کے مظاہر ہیں، ایسی چیمہ دں کے ملوث ہونے کا اعتبار تک گوارا نہیں کرتے تو جس کی ذات و جلہ امثل الاعلیٰ، یعنی اللہ ہی کے لئے بہترین اور بلند مثال ہے کیا ہونا چاہئے۔ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ۵ اب رہی دوسری اصطلاح اُس کا بھی یہی معنی ہے لیکن جب بطور معارف تعلیم دیتے ہیں اور ان کے ذہن کو سمجھاتے ہیں تو وجود ایک ذات دو کے اعتبار سے

سمجھاتے ہیں یعنی وجود سے ہست مراد لیتے ہیں اور ذات کا معنی مربع
 اسماء و صفات۔ اور ظاہر ہے کہ امتیاز ذات اسماء و صفات سے ہی
 ہوتا ہے۔ لہذا ایک ذات تو موجود وجودی ہے جس کو ذاتِ قدم کہتے ہیں چنانچہ
 اس کے صفات ذاتیہ ثبوتیہ یہ ہیں۔ حیات، علم، ارادہ، قدرت، سماعت،
 بصارت، کلام۔ دوسری ذاتِ عدم جس کو عدم اضافی کہتے ہیں اس کا
 دوسرا نام اعیانِ ثابۃ ہے۔ چنانچہ اس کے صفات ثبوتیہ سلبیہ
 یہ ہیں۔ موت، جہل، اضطراب، عجز، بہرائی، اندھا پن، گونگا پن۔ اور
 اسی طرح ہر صفت کے اعتبار سے ایک ایک کا نام بھی ہے۔ اب رہی
 وجود کی نسبتیں! تو ایک ذاتِ قدم کی طرف ہے جس کے حق میں وجود
 عین ذات ہے۔ اور ذاتِ عین وجود۔ دوسری نسبت ذاتِ عدم کی
 طرف ہے جس کے حق میں وجود زاید بر ذات ہے، یعنی اضافی، جو کہ ماہیتہ
 اس کا عین نہیں۔ چنانچہ اسی اعتبار سے غیریت حقیقی ذاتی اصطلاحی
 کہتے ہیں۔ اور ہے بھی یہی بات۔ ورنہ اگر ذاتِ عدم جس کو عدم اضافی
 کہتے ہیں، اگر اس کے حق میں وجود عین ذات کہیں، یعنی ماہیتہ
 عین تو اس کا ذاتِ قدم ہونا لازم آئے گا۔ پھر وہ ذاتِ عدم اضافی
 ہی کیوں ہونے چلی، اور پھر اس صورت میں ان صفات ناقصہ کا
 مربع کون ٹھہرے گا؟ آخر کار الحاد اور کفر کے سوا کچھ نہ ہاتھ
 آئے گا۔ نحوذ بالند

یاد رہے! شرعاً اسی ذاتِ عدم کو خلق کہتے ہیں اور ذاتِ قدم کو
 خداوند

حق، اور چونکہ ذاتِ عدم بلا اخذ فیض وجود موجود اضافی ہو نہیں سکتی لہذا باعتبار ظہور وجوداً غنیست حقیقی اصطلاحی کہتے ہیں۔ اب اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ دونوں اصطلاحیں ایک ہی معنی کی ہیں۔ لیکن یہ دوسری اصطلاح وجود ایک ذاتِ دو غنیست حقیقی اصطلاحی اور غیریت حقیقی اصطلاحی کی نہایت واضح اور تقسیم کے لحاظ سے سہل اور دقیق کے اعتبار سے بہت ہی بلند ہے اور جامع و مانع۔

حضرات شہودیہ کی اصطلاح

یہ حضرات بھی ایک وجودِ دو ذات کہتے ہیں۔ مگر وجود کا معنی بظاہر ان کے پاس صفت ہے۔ چونکہ مجدد الف ثانی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ بطریق متکلمین کلام فرمایا کرتے تھے لہذا مصدری معنی میں وجود کا استعمال بظاہر کیا۔ اب رہ گئیں ذوات تو وہی مرجع اسماء و صفات کا اعتبار ذوات میں قائم رکھا۔ یعنی ایک ذاتِ قدم جس کے حق میں وجود اس کی صفت ذاتیہ ہے یعنی منجملہ ان صفات سبعہ: حیات، علم، ارادہ، قدرت، سماعت، بصارت، کلام کے ایک صفت "وجود" کو بھی ٹھہرایا۔ چنانچہ اپنے کلام میں یہ حضرات اکثر یہی صفات ثمانیہ یعنی آٹھ صفات فرمایا کرتے ہیں اور اس اعتبار سے ذاتِ عدم کو دوسری ذات جو کہ صفاتِ عدمیہ یعنی موت، جہل، اضطراب، عجز، بہرہ، اندھا پن، گورگاہ پن سے مخلوئے ذاتِ عدم کہتے ہیں۔ اب رہی اس کی موجودیت کی کیفیت تو اس کی

نسبت یہ فرماتے ہیں کہ وجود جو صفت ذاتِ قدم ہے اسی کے فیضانِ ظلی سے یہ موجود ہوگئی۔۔۔۔۔ وغیرہ لیجئے! بات دی ہوئی۔ اور پھر اس تمثیل سے جو کہ نقطہ جو عالم اور دائرہ کی دی ہے اس سے اور بھی مسئلہ صاف ہے۔ گویا یوں سمجھو کہ اسی مضمون کو بطرز دیگر بیان فرمایا ہے۔ مگر ہاں ایک خفیف سا فرق وجود کو صفت کہنے کا باقی ہے۔ تو اس کے متعلق سمجھنا چاہئے کہ یہ بات یا تو مصلحتاً ان کے زمانے کے اعتبار سے تھی یا سہو لفظی۔ کیونکہ مضمون کچھ بھی بدلا نہیں، لیکن فقیر عرض کرے گا کہ وہ سہو لفظی بھی نہیں، بلکہ تجاہلِ عارفانہ ہے، اور ہے بھی یوں ہی، چنانچہ یہاں وجود کا منہی خود حضرت امام صاحبؒ بھی ہست کا لیتے ہیں اور پھر اسی معنی کے لینے کا ارشاد بھی فرماتے ہیں رہو ہدا۔

دو بالجمہ ممکن جو کچھ رکھتا ہے (وہ) حضرت وجود تعالیٰ و تقدس کے مرتبے ہی سے مستفاد ہے اپنے خانہ پدر سے کچھ بھی نہیں لایا۔ اس کو بغیر ملاحظہ ظلیت کے موجود خارجی کہنا امر دشوار ہے۔۔۔۔۔ اور حق تعالیٰ کے وصفِ اخص کے ساتھ شریک ٹھہرانا، اول تعالیٰ اس سے بری ہے۔ اس فقیر نے جو اپنے بعضے مکاتیب اور رسائل میں کہ عالم کو موجود خارجی کہا ہے کہ اس کو بھی اسی بیان کی طرف راجع رکھنا اور اعتبار ظلیت پر قیال کرنا چاہئے۔ اور وجود کو کہ متکلیمن نے مترادف ثبوت و تحقیق کہا ہے وہ لغوی معنی کا اعتبار ہوگا ورنہ وجود کہاں اور ثبوت کہاں وجود کو تو ارباب کشف و شہود اور اہل نظر و استدلال کے حق غفیر نے جب الوجود تعالیٰ کی

نور النور

عین حقیقت کہا ہے۔ اور ثبوت محققات ثنائیہ سے ہے۔ دونوں میں بڑا فرق
(مکتوبات جلد دوم۔ مکتوب ۹۵۔ ترجمہ بالکل مطابق اصل)

ناظرین! اس سے تو یہ بات صاف طور پر حضرت ہی کے قول سے
نائب ہو رہی ہے کہ حقیقت میں سرآمد حضرات شہود یہ یعنی

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شہودی بھی ہیں جو دی بھی

اصل بات یہ ہے کہ آپ بطرز تکلیف کلام فرمایا کرتے تھے۔ اس خیال ہے
کہ اہل ظاہر کی مخالفت نہ ہو۔ چنانچہ اس بات کا ذکر اپنے مکتوبات میں فرمایا
بھی ہے لہذا شہود کی اصطلاح سے کام لیتا کہ اہل ظاہر کا بظاہر خلاف
بھی نہ ہو اور وحدۃ الوجود بھی ضمن میں بطرز دیگر قائم رہے۔ چنانچہ اسی
اعتبار سے مسئلہ وجود کو آپ علم الیقین سے تعبیر فرماتے ہیں اور وحدت
الشہود کو عین الیقین سے۔ اور یہ صرف لفظی اختلاف ہے اور وہ
بھی مصلحتاً جیسا کہ گزرا۔

لیکن افسوس آخر دانوں میں سے اکثروں نے اس کو بھی نہ سمجھا
تاویل غلط کر کے قابل وحدۃ الوجود کو گمراہ کہہ دیا اور خود کو جو موجود بنے
تھے شرک خفی و اخفی کا شکار بنا دیا۔ ہا اپنا سلوک مقید، تو احدی بن سے
وہ بھی نہ ہوا۔ پھر تو ادھر کہے رہے نہ اُدھر کے گئے نہ پر دستی ٹامک
ٹوئے مارنے۔ یہ ہے اصطلاح کے نہ سمجھنے کا پیکر.....!
قابل توجہ۔ ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ یہ اصطلاحیں جو

وجود شہود کی بھی بیان ہوئی ہیں ان اصطلاحوں کو اصل وضعین اصطلاح نے اپنے اپنے مواقع اور محل کے اعتبار سے صرف تفہیم مسئلہ توحید کی سہولت کے لئے بیان فرمایا ہے ورنہ انکی کوئی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ ان کا ثبوت محقق ہے لہذا ان کا منشا طالبین کے لئے مزید سہولت ہے۔ چنانچہ ہم نے بعض کو ان کی تصانیف سے بتایا بھی ہے اور آگے بھی اس کی وضاحت کریں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)

واضح ہو کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کے پہلے مدون اور مبسوط (باعتبار اصطلاح) جنہوں نے خاص طور پر اس کا قانون ہی وضع اور مرتب فرمایا، سرآمد حضرت وجودیہ حضرات امام العارفین سیدنا شیخ اکبر محمد محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حقائق و معارف میں ان کی خاص خاص اور مشہور کتابیں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم ہیں جو بالخصوص اور بالعموم سارے اہل عرفان کی مقبول خاطر ہیں۔ چنانچہ اس خصوص میں مختصراً امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہی پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہو جائے گا کہ حضرت مجدد صاحب باوجود اپنا مسلک شہود رکھتے اور کچھ کچھ اختلاف اصطلاح اور تغیرات لفظی رکھنے کے حضرت مجدد کا کس طرح ادب کرتے ہیں۔ اور کس طرح ان کی شان کا اظہار فرماتے ہیں سبحان اللہ کیا کہنا! بڑے لوگوں کی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔ چنانچہ کچھ مضمون کے بعد فرماتے ہیں۔

..... ” یارب کیا کیا جائے کہ اس میدان میں شیخ قدس سرہ (یعنی حضرت شیخ اکبر محمد محی الدین ابن عربیؒ) ہیں۔ کبھی تو ان سے جنگ ہے، کبھی صلح یہ..... وہ ہیں کہ کلام معرفت و عرفان کی بنیاد (انہوں نے) ہی ڈالی ہے۔ اور شرح و بسط فرمایا۔ اور یہی حضرت ہیں کہ انہوں نے توحید و اتحاد کے متعلق تفصیل سے کلام فرمایا ہے۔ اور تعدد و تکثر کا منشاء بیان فرمایا۔ اور یہی ہیں کہ (انہوں نے) وجود کو یا سکیمہ حق تعالیٰ ہی کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اور عالم کو موہوم اور متغییل ٹھہرایا۔ اور یہی ہیں کہ تنزیلات کو (انہوں نے) وجود کے لئے ہی ثابت فرمایا ہے۔ اور ہر مرتبہ کے احکام جدا کئے۔ اور یہی ہیں کہ عالم کو (انہوں نے) عین حق تعالیٰ جانا ہے اور ہمہ اوست فرمایا، اور پھر باوجود اس کے حق سبحانہ کے مرتبہ تنزیہ کو سوائے عالم کے پایا ہے اور دید و دانش سے اس کو منزہ و مبرا جانا۔ ان سے پہلے کے شیوخ نے اس بات میں اگر کلام کیا بھی ہے تو اشارات اور رموز کے طور پر تفصیل اور تشریح کی طرف توجہ نہ کی، اور جو شیوخ کہ ان سے متاخرین ان میں اکثروں نے ان ہی (حضرت) شیخ کی تعلیم اختیار کی۔ اور انھیں کی اصطلاح میں کلام بھی کیا۔ ہم پساندوں نے بھی انہی بزرگ کے برکات سے استفادہ کیا ہے۔ اور ان کے علوم و معارف سے فائدے حاصل کئے۔ حق تعالیٰ انھیں ہماری طرف سے بہترین جزا دیں۔ (آمین)

(مکتوبات جلد سوم مکتوب کا حصہ آخر)

حضرات! اس مکتوب میں حضرات وجودیہ کے امام حضرت شیخ اکبرؒ کا مسلک جس طرح کہ فقیر نے سابقاً عرض کیا تھا کہ بلا نفی مرتبہ 'خلق' وجود کا مسئلہ ثابت ہونا چاہئے اور ایسا ہی ہے بھی..... ہر ائمہ حضرات شہودیہ کے ارشاد سے بھی واضح ہو گیا اور یا وجود مسلک شہود کے ان کا توافق بھی ثابت ہو گیا۔ حالانکہ مسلک شہود کو جن کے کہ طرز بیان میں صرف چند الفاظ کی الٹ پھیر ہے اور بالمعنی فہم صحیح کے اعتبار سے وہ بھی مسلک وجود ہے۔ فقیر نے عرض کر دیا ہے۔ اب یہاں صرف صراحت مزید کے لئے فقط حضرات وجودیہ کے محققین ہی کی تفصیلاً اصطلاح پیش کی جائے گی۔ جس کا ذکر "حضرات وجودیہ کی محققانہ اصطلاحیں" کی سرخی قائم کر کے کیا گیا ہے۔

حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں۔ "پس یہ بات درست نہیں ہے کہ خلق اور حق ہر دو کسی وجہ سے از روئے ذات جمع ہو سکیں" (اردو ترجمہ فتوحات مکیہ جلد اول دیباچہ صفحہ ۱۶۳) پھر فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ بذاتہ، لذاتہ موجود مطلق اور غیر مقید وجود ہے"..... پھر آگے چل کر فرماتے ہیں "عالم نہ بنفسہ ہے نہ لنفسہ ہے۔ بلکہ وہ (یعنی عالم) وجود حق تعالیٰ کے ساتھ ذاتہ مقید الوجود ہے۔ پس عالم کا وجود بجز وجود حق ہرگز درست نہیں" (اردو ترجمہ فتوحات مکیہ جلد اول باب دوم صفحہ ۳۳۰)

”اس نے ہم کو اُس صورت پر پیدا کیا جو کہ اس کے علم میں ہمارے
 ساتھ ثابت تھی۔ اور ہم اپنے ذوات میں محدود تھے“ (فتوحات مکیہ
 صفحہ ۳۳۳)

پھر فرماتے ہیں :- فالعالم متوهم ماله وجود حقیقی“ ط یعنی
 عالم و ہم (واقعی ہے) اس کو وجود حقیقی نہیں۔
 اور پھر مسئلہ ایجاد عالم کے ضمن میں فرماتے ہیں :- ”فقابل ثلاثة
 بتلاته ذاته الثابتة في حال عدمها في موازنة ذات
 موجد ها الخ“ یعنی پس مقابل ہوئیں (مخلوق کی) تین چیزیں خالق
 کی تین چیزوں کے ساتھ۔ ایک تو ذات (مخلوق کی) جو باوجود عدم کے
 ثابت ہے اپنے موجد (خالق) کی ذات کے مقابلہ میں۔
 (فصوص الحکم - حکمتہ فتوحیہ فی کلمہ صالحیہ)۔

اس کے علاوہ متعدد جگہ فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم میں آپ
 نے باوجود عین واحدہ (یعنی ایک ذات) کے بیان فرمانے کے مخلوق
 کے لئے جو ممکن اور معلوم کہلاتا ہے ذات کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ بلکہ
 طوالت یہاں درج نہیں کیا گیا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگر کوئی متعاقب
 موقع ملے تو علیحدہ کسی تصنیف میں تفصیل کی جائے گی۔ اور یہ حضرات
 وجودیہ کے مقبول اور ممتاز پیشوا ہیں۔ ان کے ثبوت کے بعد تو کسی کے
 ثبوت کی ضرورت نہیں لیکن اس پر بھی طالب الیقین کی مزید تفسی
 کے لئے ہم یہاں اور ممتاز حضرات کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں :-

حضرت شیخ عبدالکریم جمیلی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی حضرات وجودیہ کے اپنے وقت میں امام زمانہ تھے۔ ان کی ایک کتاب "الناسِ کامل" مشہور تصنیف ہے جو حقائق و معارف میں زیر دست محققانہ طور پر لکھی گئی، فرماتے ہیں۔ معلوم کرو کہ فقط ذات کا اعتبار اسماء و صفات کے استناد سے ہوتا ہے جس میں اس کے وجود کا اعتبار نہیں (یعنی اسماء و صفات کی نسبت جس کی طرف لگتی ہے اُسے ذات کہتے ہیں اسمیں اس کے وجود کا اعتبار نہیں لیا جاتا) چنانچہ فرماتے ہیں۔ پس جو کوئی شے بھی ہو اسم و صفت کے استناد سے ذات کہلاتی ہے خواہ وہ (ذات) معدوم ہو مثل غنقا کے یا موجود (اسی طرح) موجود کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک موجود محض جو کہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ دوسرا وہ موجود جو کہ عدم کے ساتھ ملحق ہے اور وہ "ذات مخلوقات" ہے۔ و اعلم ان المطلق الذات هو الالہ الذی تستند الیہ الاسماء و الصفات فی عینہا لا فی وجودہا، فکل اسم و صفت استند الی شیء نذالک الشیء هو الذات سواء کان معدوماً کالغنقا و موجوداً الموجود نوعان نوع موجود محض و هو الذات الباری سبحانہ تعالیٰ و النوع موجود ملحق بالعدم و هو ذات المخلوقات ط (الناسِ کامل جلد اول صفحہ ۱۳)

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

یہ بھی علاوہ حضرات وجودیہ کے ممتاز امام ہونے کے ہر طبقہ میں مقبول بھی ہیں۔ چنانچہ مثنوی معنوی آپ کی خوب ہی مقبول عالم ہے۔

ہیں۔

ما بعد ہائیم دستی ہائے ما تو وجود مطلق فانی نما
ما چونائیم و نوا در مازتست ما چون نگیم و صدا در مازتست
جزو یک رو نیست پیوستہ بکلی ورنہ خود باطل شد بعثت رسل
چوں رسوالاں اپنے پیوستہ اند پس چہ پیوند چوں شاں یک تنہ

یعنی ہم اور ہماری مثنوی (ذات) عدم ہے (اے اللہ) تو بہت محض ہے اور ذات فانی کو نمود میں لانے والا اہم (یعنی ہماری ذات) بالسنی کی طرح ہے اور اس میں جو آواز ہے وہ تیرے (وجود کی وجہ سے) ہم دینے والا (ذات) جنگ کی طرح ہے اور اس میں صدا تیرے ہی وجود کی وجہ سے ہے جزو ایک جہت سے کل کا عین نہیں ہے۔ (کیونکہ یہ جزو اصطلاحی ہے منطقی اصول کا نہیں) ورنہ ارسال رسل خود باطل ٹھہر جاتا۔ کیونکہ رسولوں کی ذات حق تعالیٰ سے بندوں کو ملانے کے لئے آئی ہے تو جب کہ (جزو کو عین ہی ٹھہرایا جائے گا تو پھر ملانے کی کیا چیز رہی؟) مسئلہ ہی لغو ہو جائے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

حضرت مولنا جامی رحمۃ اللہ علیہ

یہ حضرت بھی متاخرین میں حضرات وجودیہ کے مقبول نظر میں علاوہ ایک وجود ایک ذات "کے" وجود ایک ذات "دو" کی اصطلاح بھی فرماتے ہیں۔ جیسا کہ فیقر نے سابقاً ذکر کیا ہے۔

ذاتِ ہمہ جز وجود قائم بوجود ذاتِ تو وجود سازح و ہستی بحت یعنی سب کی ذات عین وجود نہیں (البتہ) وجود سے اس کا قیام ہے۔ (اے اللہ) تیری ذات وجود خالص اور محض ہستی ہے۔۔۔۔۔ پھر سلسلۃ الذہب میں فرماتے ہیں :-

ہو کائنات زینب ذات شناس کلش بر دیگر ذات قیاس
یعنی ہو سے مراد حق تعالیٰ کی ذات ہے۔ اس ذات ہو کو دوسری (یعنی مخلوق) کی ذات پر قیاس مت کر و۔

پہنچ ذات بذات اُورسد عقل کل در صفات اُورسد
کوئی ذات (یعنی ذات مخلوق) اس کی ذات (یعنی ذات حق تعالیٰ) کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتی عقل کل (یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس کے صفات (ذاتیہ کے رتبہ) کو پہنچ نہیں سکتے۔ اور پھر یہ رباعی تو اور بھی واضح ہے۔ رباعی

اے بروہ گماں کہ صاحب تحقیقی و اندر صفت صدق و صفا صدیقی
ہر مرتبہ الوجود حکمے دارد گر حفظ مراتب نہ کنی ز ندیقی
ذوالنور

یعنی اسے وہ مخاطب جو محقق ہونے کا مدّعی ہے اور مرتبہ صدق و صفاء میں صلیقت کا دعویدار، یاد رکھو۔ امراتب وجود کے ہر ایک مرتبہ کا جداگانہ حکم ہے (جو واقعی ہے) اگر تو فرق مراتب نہ کر لگا تو زندیق یعنی بے دین ہو جائے گا۔
غرض ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرات وجودیہ کے امام اور بیٹے بڑے مشابہر تمام ”وجود ایک ذات ایک“ کی اصطلاح کے سوا ”وجود ایک ذات دو“ کی اصطلاح بھی رکھتے ہیں۔ اور ان کو اپنے اپنے محل اور مواقع میں برتتے ہیں، چنانچہ ہم نے اس کے متعلق ایک اشارہ بھی کر دیا ہے، یہ کہ جب بطر معارف کلام فرماتے ہیں تو ”وجود ایک ذات دو“ کی اصطلاح برتتے ہیں۔

فقیر بہت تفصیلی بحث کرتا اور سمجھاتا لیکن کیا کیا جئے کہ اس مختصر میں اس کی گنجائش نہیں، کیونکہ اس مختصر میں صرف مطابقت قرآنی بتلانا مقصود تھا۔ تاکہ اس مسئلہ کے متعلق غلط اعتبارات سے جو بدگمانیاں پیدا ہو گئی ہیں وہ رفع ہوں۔ وہ بھی اس لئے کہ عدم مطابقت یا غلط فہمی کے بجائے بعض حضرات نادافیت سے اصل مسئلہ ہی کو ہوا کہ جلتے ہیں۔ اور بعض فردی چیزوں کے اختلاف کو لئے کر مناقشہ میں پڑ جاتے ہیں، نہ ادھر ہی کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے۔ حالانکہ ہمیں ان فردی اعتبارات سے اول تو غرض ہی نہ رکھنی چاہئے، اس لئے کہ ہر ایک کے احوال اور مکاشفات اور الشراح صدر کی باتیں جدی جدی ہوتی ہیں۔ اور اس کو کیا کیا جائے گا۔ البتہ اصل مطلب کو دیکھنا چاہئے، لیکن اس کو بھی

غ

نور النور

کتاب و سنت کے معیار پر جانچ کر گو اس کی جانچ بھی نہیں نہیں آتی لیکن
 پھر بھی اگر اپنے شکوک اور وہم اور علوم اور خیال سے خالی ہو کر محض
 طلب حق اور انکشاف و اسرار واقعی کی نیت کر کے انھیں سے استفادہ چاہ کر
 انھیں کے علم سے انھیں کی طرف توجہ کر کے ذرا اسی توجہ میں مستغرق ہو
 جائیں تو فضل حق سے سب کچھ ہو جاتا ہے۔ یہ ان کا وعدہ ہے :-
 وَاتَّقُوا اللَّهَ يُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ ۝ اور پھر اس سے زیادہ وَالَّذِينَ جَاهِدُوا
 فِينَا لِنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَفَعَلْنَا

بِطَائِفٍ مِنْهُمْ اٰمِلُ اس مسئلہ میں تین باتیں ہیں۔ ایک تو حق تعالیٰ
 دوسرے حقیقت عالم تیسرے ظہور عالم
 عالم ظاہر ہے کہ حق نہیں ہو سکتا۔ کتاب سے نہ سنت سے اجماع
 سے نہ قیاس سے کشف سے نہ مشاہدے سے اسی طرح حق تعالیٰ عالم
 نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ عالم کو علیحدہ کوئی خارجی وجود بھی نہیں
 اگر ہوتا تو وہ عالم نہ کہلاتا۔

اب رہی اس کے ظہور کی دریافت تو اس میں ایسی بات ہونی چاہئے
 کہ ظہور عالم بھی ہوا اور پھر عالم حق بنے نہ حق عالم۔ وہ اس کے ساتھ ہو
 یہ اس سے ظاہر پھر وہ وہی رہے اور یہ بھی۔ اور جب ایسا ہو تو ظاہر
 ہے کہ اس میں کسی کو تردد ہے نہ انکار۔ نہ اہل شریعت مخالف نہ اہل
 طریقت خلاف۔ اہل حقیقت مصداق تو اہل معرفت خوش راہ کیوں نہ
 خوش ہوں کہ خدا و رسول کا علم ہی یہی ہے۔ اور پھر واقعی بات :-
 نور النور

صدق اللہ وصدق رسولہ الامین ط

اب رہا یہ کہ یہی بات تفصیل میں بھی آئے تحقیق میں بھی واقع میں
 بھی ہو شہود میں بھی۔ اگر واقع میں نہ ہو صرف شہود میں رہے تو غیر واقعی
 ہو جائے گا۔ اگر واقعی ہو شہود میں نہ رہے تو بھی کمال نہیں۔ لہذا
 جیسا ہے ویسا ہی ہو۔ ویسا ہی رہے اور بات بھی یوں ہی ہے۔ البتہ اس
 کا علم ہمیں نہیں۔ اگر علم حاصل ہو جائے تو جیسا علم حاصل ہوا شہود بھی قائم
 ہو جائے۔ بات پوری ہو گئی۔ اب چاہے وجودی ہو چاہے شہودی۔
 ایجادی بنو یا کچھ اور۔ یہی علم حق ہے۔ یہی تعلیم رسول۔ یہی حقیقت
 اسلام ہے اور یہی سارے اولیاء اللہ کا سلوک۔ چنانچہ

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں
 گر بگوید حبلہ حق است اجمعی است و رگوید جملہ باطل ان شقی است
 ماعد ہما یتیم و مستی ہائے ! تو وجود مطلق فانی نما
 اس پر بھی اگر سمجھ میں نہ آئے تو

”گر بھی خواہی کہ یابی این نشان سرنہ بز خاک پائے کاملاں“ کا حکم ہے۔
 انتباہ :- واضح ہو کہ بعض حضرات بزرگان دین کے
 اشعار اور تمثالیں کی بناء پر جس کو انہوں نے اپنے اعتبار سے سمجھ لیا آخر
 میں پڑ گئے۔ اس سے بہت ہوشیار رہنا چاہئے۔ ورنہ بڑا خطرہ
 ہے، اور ایمان ہوا ہو جانے کی بات مثلاً

خود کوزہ و خود کوزہ گرد و خود گل کوزہ خود رند سبوش

خود بر سر آن کوزہ خریدار برآمد بشکت و رواں شد

یہ مولانا رحمتہ اللہ علیہ کا شعر ہے۔ جبکہ اس کو سامع مقلد سنتا ہے تو اس کے ذہن میں یہ بات آ جاتی ہے کہ بالکل خود ہی سب کچھ ہے۔ دوسرا کوئی ہے ہی نہیں۔ اور پھر اور کسی بزرگ کا اسی قسم کا شعر کہیں سے سن لیا تو اور بھی پختہ معنوی ہو گئی، سمجھ بیٹھا گویا خلق اور خالق ایک ہی چیز ہے (نحو ذی اللہ)۔ حالانکہ خود مولانا یا کسی بزرگ کا یہ منشاء ہرگز نہ نہیں جس کو مقلد سامع بیچارہ سمجھتا ہے۔ کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں۔

اصطلاحاً تیت مراد ال را زان نمی باشد خبر عقل را

نکتہ با چوں تیغ الماس کش تیز چوں تباری نو سپر واپس گرینہ

اور یہ ہے کہ اسی غلط فہمی میں شاداں۔ اور پھر غور کیجئے تو اول تو اشعار ذوق طبع کے لئے ہوتے ہیں۔ دوسرے شاعر اپنے جذبات کو قلم بند کرتے ہیں۔ بزرگ ہے تو احوال کا اظہار کرتا ہے۔ جو دوسرے کے لئے حجت نہیں۔ عارف ہے تو اس کے عرفان کا ایک قانون الگ ہے۔ اور اس کی ہر ایک اصطلاح جداگانہ اس کا منشاء اور شغل علیحدہ۔ گویا اس کی دنیا ہی جدی ہے۔ اس مقلد غریب کو تو خبر ہے نہیں۔ اپنی کمزوری طبع سے جھٹ اس کو اپنا مسلک بنا لیتا ہے حالانکہ جو بات یہ سمجھ رہا ہے وہ صریح گمراہی ہے اور وہ بزرگ تو بڑی ہیں، کیونکہ انہوں نے صاف ”واپس گرینہ“ کا مضمون سنا دیا ہے۔ یہی حال یعنی

تمثیل کا بھی ہے۔ جو بعض کتب تصوف میں درج ہیں مثلاً دریا۔ پانی روح وغیرہ سے حق تعالیٰ اور قطرہ حباب موح برف جسد وغیرہ سے خلق کی تشبیہ دیکھائی ہے۔ مقلد یا کاتبی محقق چونکہ بزرگوں سے اعتقاد رکھتا ہے۔ ان کی دی ہوئی تمثیلوں کو ہو بہو ”یوں ہی ہے“ سمجھا کر لغزش کھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کا حال اشعار سابقہ کے مضمون سے ہوا تھا۔ کیونکہ اس بیچارے کو اس علم کی تحقیقاً سرے سے خبر تو ہے نہیں، لگا اُلٹا سمجھنے چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ ”سب کچھ وہی ہے“ غیر کا نام و نشان نہیں، کوئی کہتا ہے کہ عالم اجسام خلق ہے، اور روح خدا کوئی کہتا ہے تنزیہ میں منزہ ہے تو تشبیہ میں متاثر۔ دوسرا ہے کہاں؟ جنت ہے نہ دوزخ ہے۔ چپ فرضی شرع کا پردہ ہے۔ وغیرہ..... غرض ساری گمراہی کی باتیں ہیں اور الحاد کا راستہ۔ اور پھر مزہ یہ ہے کہ اپنے علم کے ثبوت میں لگے بزرگوں کی کتابوں اور ان کی تمثیل کے بلاہتم صحیح حوالے دینے۔ اللہم! حفظنا۔

آئیے اب ذرا ان تمثیل کو ملاحظہ فرمائیے اور ان کی غلط فہمی پر نظر ڈالئے۔ بات واضح ہو جائے گی کہ تھی کیا بات اور یہ سمجھے کیا۔ غ

بہیں تفاوت رہ از کجاست تباہ کجا

مثلاً یہ کہ پانی گویا حق تعالیٰ ہیں اور برف خلق یا دریا وہ تو موح و حباب خلق یا روح وہ تو جسد خلق وغیرہ۔ اب کا نہ ہو یہی مثال خلق و حق کی سمجھی جائے تو کتنی گمراہی ہو جائے گی اور الحاد۔ مثلاً جبکہ برف پگھلا تو

پانی ہی پانی رہ گیا۔ حجاب بھوٹ بہا، مونچ ہوا ہو گئی تو دریا ہی دریا رہا۔
 جسد فانی ہو گیا تو روح ہی روح رہ گئی، لیجئے ذات خلق کی اچھی خاصی نفی
 ہو گئی۔ اور حالانکہ خلق ابدی ہے۔ اب اگر اس کی نفی نہ کیجئے تو پانی اور برف
 کو، دریا اور حجاب و مونچ کو روح و جسد کو ایک مانئے۔ اور ایسا ہو انوکھا
 خود خالق بھی وہی ہیں مخلوق بھی، خدا بھی ٹھہرے بندہ بھی اب
 کہئے اصحاب النار ہم فیہا خالدون واصحاب الجنة
 ہم فیہا خالدون ہ یعنی دوزخی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے، جنتی
 ہمیشہ جنت میں تو اب دوزخی کون، جنتی کون؟ اور اگر یہ سب کچھ ہے ہی
 نہیں محض وہی وہ ہے تو پھر یہ سارا قرآن کیا کیا جائے گا؟ اس کی
 تصدیق کیسے ہوگی؟ حضرت ایمان کا کیا حال ہوگا؟ اور پھر حید روز کئے
 غیرہ کہ خدا ہی بننا ٹھہرا تو پھر اس مسافر خانہ میں کفر و الحاد کا جھگڑا
 ہی کیا؟ امت و رسول کا بکھیرا کیا؟ نعوذ باللہ سب کا سب باطل
 ہونا لازم آئے گا۔ اور پھر یہ توحید کیا ہوئی؟ سارا ستیا ناسہ ہو گیا۔
 حالانکہ ایسا نہیں ہے..... الخسبتم انما خلقنکم

عبثاً وانکم الینا لا ترجعون ط

یہ سوال کہ پھر ایسی تمثیلیں بزرگوں نے دی ہی کیوں؟ اس کا جواب
 یہ ہے کہ تمثیل تفہیم کے لئے دی جاتی ہے اور اس میں صرف ایک
 وجہ مشابہت کی ہوتی ہے۔ کاتہ ہو تو آج تک دنیا میں تمثیل ہوئی
 نہ ہو سکتی ہے اور پھر خالق و مخلوق کی تمثیل کاتہ ہو کیسے ہو سکے گی؟
 نور النور

جس کی ذات ”لیس مکشلہ شے“ وہو السمیع البصیرہ یعنی اس کے
 مانند کوئی شے نہیں اور وہی بالذات سمیع و بصیر ہے۔ ہو ظاہر ہے کہ
 انھیں یہ معلوم تھا کہ اول تو یہ باتیں وہی لوگ سمجھیں گے جنھیں اس کا لگاؤ
 ہے۔ اور دوسرا جو کوئی سمجھے گا بھی تو انھیں سمجھے ہوؤں سے سمجھے گا۔
 کیونکہ جو اپنی شکل پر سمجھے گا۔ وہ غلط سمجھے گا۔ چنانچہ یہ تو کھلی ہوئی بات
 ہے، جیسے کسی بہادر آدمی کو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ تو شیر ہے پھر کیا اسے
 کوئی حیوان یعنی جنگل ہی کا شیر سمجھتا ہے؟ اسی طرح کسی نیک آدمی
 کو کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ تو بڑا فرشتہ ہے۔ پھر کیا کوئی اس کو فرشتہ ہی
 سمجھتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور ایسی بہتری مثالیں ہیں۔ تو اس
 سے یہ معلوم ہوا کہ تمثیل میں صرف وجہ مشابہت ایک ہی اعتبار
 سے ہوا کرتی ہے جیسے صفت بہادری کی نسبت شیر کی مشابہت سے
 ہے۔ تو صفت نیک خوئی کی فرشتہ سے۔ اور ایسا ہی بزرگوں نے بھی
 صرف تین طور تفہیم کے لئے من وجہ یہ مثالیں دیں۔ جس میں صرف ایک ایک
 وجہ البتہ ہے۔ جیسے پانی کا بصورت برف تجلی کرنا۔ دریا کا موج
 و حباب کی صورت سے ظہور کرنا۔ روح کا جسد کے اعتبارات
 کو ظاہر کرنا وغیرہ۔ یعنی اس میں یہ بتانا ہے کہ برف کی مستی ذاتی
 نہیں، موج و حباب کی مستی ذاتی نہیں جسد کی مستی ذاتی نہیں
 اور پھر باوجود اس کے برف کی ماہیت پانی ہے نہ موج و حباب
 کی ماہیت نہ جسد کی ماہیت روح۔ اسی طرح اب یہاں اس شعر کو بھی

سمجھو کہ "خود کوزہ و خود کوزہ گر" وغیرہ سے مولتا کیا اعتبار ہے۔ ظاہر ہے
 کہ انہوں نے اس سے وجود اضافی کے ظہور و تجلیات کا ارتباط لیا ہے۔ یعنی
 اس وجود نے خود ہی کوزہ کی صورت سے تجلی کی۔ کوزہ گر کی صورت سے تجلی
 کی۔ گل کوزہ کی صورت سے تجلی کی۔ رند سبکدش کی صورت سے تجلی کی پھر
 اس خریدار کوزہ کی صورت سے تجلی کی۔ یعنی یہ تجلیات اسی متجلی
 واحد کی ہیں۔ اور منظر تجلیات سارا عالم ہے۔ اور ان دونوں کی
 کثرت میں "منظر واحدی" ہے۔ لہذا نظر بر منظر "خود" کا لفظ استعمال
 فرمایا ہے یا یوں سمجھو کہ وہی کوزہ اور کوزہ گر مت وغیرہ ہے اور اس میں
 کوئی حرج نہیں۔ غرض یہ ساری خرابی غلط فہمی کی وجہ سے ہے۔
 کہا کچھ گیا، سمجھے کچھ۔ اور پھر اپنی سمجھ کو واقعی سمجھ سمجھے ایسی سمجھ کا لازمہ
 تھا الحاد اور گمراہی۔ ہوا بھی یہی یعنی ذات خلق کی نفی لازم
 آگئی۔ انقلاب حقائق کا معاملہ پیش آیا۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ مثال
 کو اگر کا تہ ہو سمجھ لیا جائے گا تو اس سے بڑی خرابی لازم آجائے گی۔ ایک
 حق کا حق بن جانا دوسرے خلق کی نفی ہو جانا اور بالفرض اگر حق خلق
 بن جائے تو لازم نقص و زوال کا مرجع بھی ٹھہرے گا۔ اور جب ایسا
 ہوا تو وہ حق کہاں ہوا۔ اور اس کو حق کہیں گے بھی کیوں؟ سبحان
 اللہ عما یصنوں ہ دوسرے اگر خلق کی نفی ہو جائے تو خالق کی
 بھی نفی لازم آجائے گی۔ اور یہ محال

مثلاً پانی برف بنا تو اس کی رقت اور سیلانیت جو کہ اس کی ذاتی صفت تھی

منہر ہو گئی، گو تھوڑی ہی دیر کے لئے سہی۔ گویا اس وقت تک صفات معطل
 رہے۔ اور جب صفات معطل بھی رہے اور منقلب بھی تو پھر یہ صفات حق کیسے
 ہوں گے؟ یہ تو لازم خلق ہوئے ایسے ہی اگر جو فنا ہو جائے اور روح خدا
 بنے، تو عذاب و ثواب کس پر؟ اور اگر عذاب و ثواب اور عالم آخرت ہی
 کی نفی کی جائے تو یہ صریح کفر ہے اور لغو۔ اور ایسا ہی شطیحات
 کا بھی حال ہے۔

شطیحات کا معنی
 شطیحات اصطلاح میں بزرگان دین کے ان کلمات کو کہتے ہیں جو ضرر
 بحالت استغراق و مستی و غلبہ عشق، بظاہر خلاف شرع صادر ہوں جیسے
 حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے ”انا الحق“ کا نکلنا۔
 اور حضرت ابی الطائفہ جعفیہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا ”لیس فی حیاتی سوی
 اللہ“ فرمنا۔ اور حضرت سلطان الحارثین بایزید بطنامی رحمۃ اللہ علیہ کا
 ”سبحانی ما اعظم شانی“ فرمنا وغیرہ.... چونکہ یہ کلمات باعتبار نفس
 نہیں ہوتے غلبہ محویت و فنا کی وجہ سے ہوتے ہیں، برائے بنائے حضرات معذور
 ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے کسی کا لے ان کا انکار نہیں کیا۔ سنا بان چونکہ ان
 اہل راے واقف تو ہوتے نہیں کم نظری اور غلط فہمی سے ان شطیحات
 سے کو اپنا مسلک قرار دے لیتے ہیں۔ حالانکہ ان حضرات نے خود کبھی اپنا مسلک
 شطیحات قرار نہیں دیا۔ وہ تو ایک سکرو محویت کے غلبہ کی باتیں ہیں
 ۱۰۹

مسک کیسے؟ مگر کیا کیجئے کوتاہ فہم ہیں کہ اسی کو اپنا مسک بنائے ہوئے
 ہیں۔ اور سند میں اپنی شیطیات کو پیش کر دیا۔ خوب یاد رہے کہ اس خوابی
 کے ذمہ دار بزرگان کرام ہرگز نہیں۔ اس کا مواخذہ ان ہی اہل مغالطہ سے
 ہو گا کہ تم نے کتاب وسنت اور طریق اہل حق کے خلاف احوال اہل اللہ کہہ
 کیسے مسک بنا لیا تھا؟ اور ذات خلق کی نفی کر کے اسی ذات خلق
 کو حق ٹھہرا دیا۔ کیا تم جانتے نہیں تھے کہ کفر ہے؟ لقد کفر
 الذین قالوا ان اللہ هو المسيح ابن مریم ۵ تحقیق جنہوں نے مسیح
 ابن مریم یعنی عیسیٰ ہی کو اللہ کہا کفر کیا دپ مائدہ - ۳۷) کہئے! اس سوال
 کے بعد سوائے اشکِ ندامت اور حسرت کے پیش رفت کیا ہو گا!

غرض یہ بہت تفصیلی طور پر بیان کرنے کی چیز ہے۔ اس مختصر
 میں اس کی گنجائش نہیں۔ بس اتنا یاد رکھنا چاہئے کہ جو کوئی بزرگ بھی
 تمثیل دین تو اس میں صرف ایک ہی وجہ سے مشابہت ہو سکتی ہے۔ ہر طرح
 کی مشابہت نہیں ہو سکتی۔ لہذا ایسی صورت میں لازم ہے کہ جب تک
 بزرگان دین کے معارف اور ان کے املر اور ان کے اصطلاح پر ترجیح اور
 پورے پورے طور پر واقفیت نہ حاصل ہو کبھی ان کے تمثیل یا شیطیات
 کو اپنا مسک نہ بنائیں خصوصاً ایسے فحط الرجال کے زمانہ میں کہ اس کے
 صحیح طور پر جاننے والے بھی بہت ہی کم ہیں کس قدر احتیاط کی ضرورت
 ہے۔ ایسی حالت میں تو زیادہ تر کتاب وسنت کے اعتبار سے سمجھنے
 کی فکر کرنی چاہئے۔ ورنہ بہت ہی خسران اور نقصان کا باعث

ہو گا اور یہ معیار خود بزرگانِ دین نے بھی فرمایا ہے جیسے کہ گمراہ اور باغیوں
مطابق کتاب و سنت اگر کوئی نہ سمجھائے تو ایسی بات کو چھوڑ دینا ہی اولیٰ
ہے تاکہ غلط طور سمجھیں نہ گمراہی میں پھنسیں۔

اب رہا ایک یہ سوال کہ آخر اس مسئلہ کی تحقیق سے اور وہ بھی
اتنی جان جو کھوں کی فائدہ؟ گویا یہ بھی ایک گورکھ دھند ہی نکلا۔ نہ کرامت
حاصل ہوئی نہ کشفِ غیبی بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو سب کچھ
اسی سے حاصل ہوتا ہے لیکن نقد و قوت یہ ہے کہ ایمان سے افضل بات
حاصل ہوئی جیسے کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

ان افضل الایمان ان تعلم اللہ معک حیثما کنْتَ یعنی بے شک
افضل ایمان یہ ہے کہ تو جانے اس بات کو کہ اللہ تیرے ساتھ ہے جہاں کہیں
تو ہو۔ (نجیم بن حماد عن عبادہ بن صامت ابن کثیر و مشور) اور یہ بندہ
کے حق میں کمال معراج ہے۔

الحاصل جیسے تصدیقِ الوہیت و رسالت سے حصولِ ایمان
تقلیدی ہے ویسے تحقیقِ الوہیت و رسالت سے ایمان تحقیقی، اس کی
جزا سببات، اس کی جزا و شہود اس کا تعلق ہم سے اس کا تعلق متمم
سے۔ اس سے حصولِ درجات اس سے حصولِ نور۔ آفاق میں مشاہدہ
تو انفس میں یافتہ وہاں متمم بے پتہ یہاں ہر شے اس کا آئینہ
وہاں کچھ ہم تھا، تو یہاں یقین وہاں علم تھا تو یہاں معائنہ
وہاں کچھ دوری تھی تو یہاں نزدیکی۔ یہی حق چھپ ہوا تھا

خلق ظاہر اب خلق چھپ گئی حق ظاہر۔ اور تھا بھی یوں ہی پہلے
 خلق کو دیکھتے تھے خیال میں حق تھا۔ اب حق کو دیکھ رہے ہیں خسلق
 آئینہ۔ پہلے وہم میں اس کی یافت تھی اب علم میں۔ پہلے آفاق سے
 ورے سمجھتے تھے اب انفس میں۔ دہنے انفسکم افلا تبصرون پہلے
 ہم ہم میں تھے اب وہ ہم میں اب اور کچھ نہ پوچھو! ہم اس کے ہوا وہ
 ہمارا ہے۔ ہم اس میں ہیں، وہ ہم میں (بے حلول و اتحاد) اسی سے زندہ
 ہیں، اسی سے قائم۔ اسی سے ظاہر، اسی سے بنیاد۔ اکی کے نور سے
 اس کو دیکھ رہے ہیں۔ اسی کے علم سے اس کو پار ہے ہیں۔ ہم ہیں مگر اس کے
 ہونے میں پھر بھی نہیں ہیں۔ ادویوں پوچھو تو ہم نہیں ہیں لیکن اس کے
 ہونے نے کچھ ہمارا ہوتا بھی دکھا دیا اب تو ہم اپنے کو بھی دیکھتے ہیں تو اسی
 کو پاتے ہیں۔ (اگرچہ ہم ہرگز وہ نہیں) اور اس کو بھی دیکھتے ہیں۔ تو اسی
 نے دیکھتے ہیں۔ شک رہا نہیں، یقین بڑھ گیا۔ ظلمت کا نور! نور آگیا۔
 اللهم انت نور السموات والارض ومن فيهن ذلك الحمد۔
 یعنی اے اللہ تو ہی آسمانوں اور زمین کا اور جتنی چیزیں کہ ان میں ہیں
 ان سب کا نور ہے اور ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے، نے دریاے
 نور میں غوطہ دیا۔ اللهم اجعل فی قلبی نوراً و فی سمعی نوراً و فی بصری
 نوراً و من عینی نوراً و عن شمائی نوراً و اما عی نوراً و خلقی نوراً و فوقی
 نوراً و تحتی نوراً و جعلنی نوراً ۵ یعنی اے اللہ! میرے دل میں نور دے اور
 میرے کان میں نور، میری آنکھ میں نور دے، اور میرے داہنے
 نور النور

نور دے اور میرے بائیں نور۔ اور میرے آگے نور دے، میرے پیچھے نور میرے
 اوپر نور دے، میرے نیچے نور دے۔ اور کر ڈال مجھ کو سراپا نور۔
 (بخاری عن عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے رنگ دیا۔ دل میں
 نور ہے، کان میں نور ہے، آنکھوں میں نور ہے، دائیں نور ہے بائیں
 نور۔ آگے نور ہے، پیچھے نور، اوپر نور ہے، نیچے نور۔ اور پھر ہم خود نور۔

اب اور کیا چاہئے۔ کیا کسی کا جائزہ لینا چاہئے تھا۔ اور پھر فرض کرو
 لیتے بھی تو نباہتے کیسے؟ اور وہ کہاں چلا جاتا؟ اور کتنے لیتے؟

... لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں یہ دوسری بات ہے اور اسے نور
 میں غوطہ لگا کر بے خودی میں اگر کوئی "میں وہی ہوں" کا دم لگا بیٹھے
 و فورستی اور ہے پیا ہوا معذور ہے۔ مست کا کہنا اس کی شراب
 کی تاثیر ہے۔ حضرت شاہ کمالؒ

ہر بخود دے کہ دم ز خدائی ہمی زند سرشار از شراب طہور محمد است
 نشہ انرا تو پھر وہی کے وہی۔ باقی کے قدم ہیں اور مست کا سر۔ نشہ کی بات
 تھی حقیقت میں یہ کہاں وہ ہو گیا تھا؟ وہ کہاں یہ ہو گیا تھا؟ خیال پر
 اثر تھا، ادھر سے خیال سر کا، ادھر کا ہوا، تو لگا، ادھر کی بات بولنے
 اور جو خیال اپنے مقام پر آیا، تو پھر وہی کا وہی۔ حافظؒ

حلقہ پیر مغنم ز ازل در گوش است ماہمانیم کہ بودیم وہماں خواہد بود
 مگر کیا یہ بھی کوئی کم بات ہے؟ وہ نہیں ہوئے تو اس کو دکھلانے والے تو
 ہوئے۔ اپنی چیزیں کھوئیں تو کیا ہوا، ان کی چیزوں سے سنوارے گئے،

خود کو کھوئے تو کیا ہوا ان کی تجلی سے سرفراز ہوئے۔ عزت پر ٹھہ گئی، کچھ سے کچھ ہم گئے ورنہ ہم تھے ہی کیا جو کچھ ہو سکتے تھے۔

ایازِ قدرِ خود را بشناس!

اور پھر اب ہوتا ہی کیا؟ حقیقی عبدیت مل گئی۔ لاکھوں پر بھاری ہو گئے۔ خلافتِ الہیہ مل گئی۔ ایسے بندے بنے گویا خدائی مل گئی۔ پھر وہ بھی خوش رہے ہم بھی۔ راضیۃ عرضیۃ ط فادخلی فی عبادی و ادخلی جنتی ۵

اب ہم ہیں اور ہمارا یار ہے۔ نہ وہ الگ ہوتا ہے نہ ہم جدا۔ اس کا پیار ہے اُس کا انعام۔ پاس سے ہٹنے دیتا نہیں۔ کہیں سرکنے جگہ نہیں۔ وہی ہماری آنکھوں میں لسا ہے دل میں سمایا ہے۔ ہم بھی اُس کے دل میں ہیں۔ اُسی کی نظروں میں۔ اطمینان ہے، سرور ہے۔ لذت ہے، وصال ہے۔ ادھر کچھ خیال آیا نہیں کہ ادھر اُس نے "الین اللہ بکاف عبدہ" فرمایا۔ اور ادھر مجھو لے سے دوری کا دوسوہ آیا نہیں کہ ادھر اُس نے "نخن اقرب الیہ من حبل الوریثہ" کہا۔ عجب معاملہ ہے۔ آگے کیا کہئے...! کہنے کی بات نہیں۔

امروزہ شاہ شاہاں مہاں شد است مارا
جیریل با ملایک دریاں شد است مارا

اب ہمارے اس بیان مشاہدہ کی توثیق مزید کئے ایک مقدس
 و مافی ہوئی ہستی کے ارشادات کو پیش کرتے ہیں جن کو انہوں نے اپنی کتاب
 'الحکم' میں لکھا ہے جو کہ علمائے کرام کی مقبول نظر ہے۔ چنانچہ اس کی سند
 میں ہم اس کی اردو شرح 'اکمال ایشم' کی تہذیب طبع ثانی کے اقتباس
 ہی کو پیش کرتے ہیں جس کو مولوی عبد المجید صاحب پچھرا یونی نے
 جمید پریس واقع بلیران دہلی میں چھپوایا ہے۔

اقتباس

(مولوی عبد المجید صاحب پچھرا یونی کہتے ہیں)

”یہ کتاب الحکم کی بے نظیر شرح ہے جس کے مصنف شیخ ابن
 عطاء اللہ اسکندری ہیں جن کی جلالت و عظمت پر حضرات صوفیہ کرام کا
 اتفاق ہے۔ اصل کتاب عربی میں تھی جس کی ترویج شیخ علی منتقی مصنف
 کنترا الحمال (جو حدیث میں ایک مشہور ضخیم کتاب ہے) رحمۃ اللہ علیہ نے
 فرمائی ہے۔ اور حضرت قطب العارفین رئیس السالکین مقام العلماء الحنفین
 مولانا الحافظ الحاج مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری صاحب مدنی
 قدس سرہ نے اعلم حضرت شیخ العرب العظم قطب العالم حضرت حاجی شاہ امداد اللہ بہا جرنی
 قدس سرہ کے ارشاد سے اردو میں ترجمہ فرمایا۔ پھر مولانا الحافظ الحاج
 مولوی عبد اللہ صاحب گنگوہی نے اس کی مفصل شرح فرمائی۔ اور

حضرت اقدس حکیم الامتہ مولانا الشیخ محمد اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے اس کو بیحد پسند فرما کر خانقاہ امدادیہ کے درس سلوک میں داخل فرما دیا اور سالکین کو بکثرت اس کے مطالعہ کا حکم فرماتے ہیں۔

علاوہ اس کے اس کی متعدد عربی شرحیں مختلف اعتبارات کے ساتھ متعدد علامہ فرمائی ہیں۔ غرض یہ ارشادات نہایت ہی مستند اور گرانقدر اور عالی ہیں ناظرین کو اس کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہئے۔

ارشاداتِ شہود

تمام مخلوقات تاریکی ہے اور اس میں حق کے ظہور نے اس کو منور کر رکھا ہے تو جس نے مخلوقات کو دیکھا اور اس میں یا اس کے قریب یا اس سے پہلے یا اس سے پیچھے حق سبحانہ کا مشاہدہ نہ کیا تو اس کی نظر بصیرت سے الوار کا وجود فوت ہو گیا۔ اور معارف کے آفتاب آثار کے بادلوں میں اس سے چھپ گئے۔

حق سبحانہ کا تجھ کو اپنے مشاہدہ سے ایسی چیز کے ساتھ محبوب کرنا جو اس کے ساتھ موجود نہیں ہے اس کے قہر و غلبہ کی بڑی دلیل ہے۔ کیونکہ خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اس کے مشاہدہ کی اثر ہو جائے حالانکہ ہر ایک چیز کو عدم کی تاریکی سے اس نے ظاہر فرمایا ہے۔ حالانکہ وہ ہر ایک چیز کے ساتھ ظاہر ہے۔

کیونکہ خیال میں آسکتا ہے کہ کوئی شے اس کے مشاہدہ کو روکے۔

حالانکہ ہر ایک چیز میں اُس کا جلوہ ظاہر ہے۔

کیونکہ خیال میں آ سکتا ہے کہ کوئی شے اس کے مشاہدہ کو حاجب

ہو جائے حالانکہ ہر ایک چیز کے لئے اس کی تجلی ظاہر ہے۔

کیونکہ خیال میں آ سکتا ہے کہ کوئی شے اس کے مشاہدے کو اڑ بھجائے۔

حالانکہ تمام موجودات کے وجود سے پیشتر وہ ظاہرِ باہر ہے۔

کیونکہ خیال میں آ سکتا ہے کہ کوئی شے اس کے مشاہدے کو مٹھ ہو۔

حالانکہ وہ سب سے زیادہ ظاہر ہے۔

کیونکہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ کوئی چیز اس کے لئے حجاب ہو سکے حالانکہ

وہی اکیلا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی موجود نہیں۔

کیونکہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ کوئی چیز اس کے لئے حجاب ہو سکے حالانکہ

وہ ہر چیز کی نسبت تجھ سے زیادہ قریب ہے۔

کیونکہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ کوئی شے اس کے لئے حجاب ہو سکے حالانکہ

اگر وہ نہ ہوتا تو کسی چیز کا وجود نہ ہوتا۔

آئے لوگو! تعجب ہے عدم میں وجود کیونکر ظاہر ہو اور قدیم کے ساتھ

حادث کس طرح ثابت رہ سکے۔

حق جل و علا حجاب میں نہیں ہے صرف تو اپنی نفانی صفات کی

وجہ سے اس کے مشاہدے سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی شے اس کے حجاب

کے لئے ہوتی تو اس کو ڈھانپتی۔ اور اگر اس کے لئے کوئی ڈھانپنے والی چیز ہوتی تو

اُس کے وجود کو احاطہ کرتی۔ اور ہر ایک احاطہ کرنے والی شے غالب ہوتی ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔

نورِ عقل اور علم الیقین تجھ کو اس کے قریب کا مشاہدہ کراتا ہے۔ اور نورِ علم اور عین الیقین اس کے وجود کے سامنے تجھ کو تیرا عدم مشاہدہ کراتا ہے۔ اور نورِ حق اور حق الیقین صرف اس کے وجود کا مشاہدہ کراتا ہے نہ تیرے وجود کا نہ تیرے عدم کا۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تھا۔ اور کوئی چیز اس کے ساتھ نہ تھی اور وہ اب بھی ویسا ہی ہے جیسا تھا۔

بڑا سخت تعجب ہے کہ جس سے کسی طرح جدا نہیں ہو سکتا اُس سے بھاگتا ہے اور جس کے ساتھ کسی طرح نہیں رہ سکتا اس کو طلب کرتا ہے۔ فی الحقیقت آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

عباد اور زہاد بایں وجہ کہ ہر ایک چیز میں اللہ تعالیٰ سے محجوب ہیں ہر ایک چیز سے متنفر و متوشش ہیں۔ اگر وہ ہر ایک چیز میں اسی کا جلوہ دیکھ لیتے تو کسی چیز سے متنفر نہ ہوتے۔

کسی ایسے موجود کے وجود نے جو واقعی اللہ تعالیٰ کے ساتھ موجود ہو اُسے محجوب نہیں کیا لیکن ہاں اذہنی اور خیالی موجود کے وجود نے تجھ کو اُس سے محجوب کر دیا۔ مخلوقات میں اگر اُس کے جلوہ کی روشنی نہ ہوتی تو دکھائی نہ دیتے۔ اگر اس کے صفات کمال کا ظہور نہ ہوتا تو تمام مخلوقات نیست و نابود ہو جاتی۔

اس وجہ سے کہ وہ باطن ہے ہر چیز کو ظاہر کر دیا۔ اور اس وجہ سے کہ وہ ظاہر ہے ہر چیز کے وجود کو لپیٹ دیا۔

اور اس دار دنیا میں تجھ کو اپنی مخلوقات میں شامل کرنے کا حکم فرمایا اور
عقرب ذاتِ کاملہ دارِ آخرت میں تجھ پر عیاں ہوگی۔

حق جل و عللے جاناکہ تو بدوں اس کے مشاہدہ کے صبر نہیں کر سکتا۔ تو اپنی
مخلوقات کا تجھ کو مشاہدہ کرایا۔

جب تک تو مخلوقات میں خالق کا مشاہدہ نہ کرے ان کا تابع ہے جب
تو اس کا مشاہدہ کرے تو مخلوقات تیرے تابع ہیں۔

مخلوقات میں مشاہدہ جمال حق کو تیرے لئے مبلح فرمایا۔ اور مخلوقات کے
ذوات کے مشاہدے پر توقف کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ اس ارشاد میں کہ کہہ تو
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ جو آسمانوں میں ہے تیرے خیم کا دروازہ کھول دیا۔ اور
یہ نہیں فرمایا کہ آسمانوں کو دیکھو۔ کیونکہ احیام کے وجود پر رہنمائی ہو جاتی۔
مخلوقات اس کے اول کن کے ساتھ ثابت اور اس کی احادیث ذات

کے سامنے نیست و نابود ہیں۔

جس نے حق جل و عللے کی معرفت حاصل کی اس نے ہر چیز میں اس کا مشاہدہ
کیا۔ اور جس نے فنا کا مرتبہ حاصل کیا وہ ہر چیز سے غائب ہو گیا۔ اور جس نے اسکو
محبوب بنایا۔ اُس نے کسی کو اس پر اختیار نہیں کیا۔

حق جل و عللے کو تجھ سے صرف نہایت قرب نے محبوب کر دیا۔ حق
جل و عللے اپنے نہایت ظہور کے سبب محبوب ہو گیا اور اپنے نور کی غفلت کے سبب
آنکھوں سے مخفی ہو گیا۔

حق جل و عللے کسی چیز سے کیونکر محبوب ہو سکتا ہے۔ جو چیز حجاب ہوگی اس میں بھی

اسکا جلوہ ظاہر اور موجود اور حاضر ہو گا۔ غیر کی طرف تیرا نظر اٹھانا اور ماسوا کے فقدان سے تیرا وحشت ناک ہونا تیرے اس تک نہ پہنچنے کی دلیل ہے۔

راحت و سہرور کے اگرچہ مظاہر مختلف ہیں، حقیقی نعیم اس کے شاہد ہے اور قرب کا ہے۔ اور مظاہر عذاب کے اگرچہ مختلف ہیں۔ لیکن حقیقی عذاب اس سے حجاب ہوتا ہے۔ اور حقیقی نعیم اس کیم فائت کی طرف نظر کرنا ہے۔

قلوب جو رنج و الم پاتے ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ شاہد سے محروم ہیں۔ اگر لوگوں کو بے توجہی یا بیدگونی کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہونا تجھ کو تکلیف دے تو اپنے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے علم پر التفکر اور اگر تجھ کو اس کے علم پر قناعت نہ ہو تو اس اذیت پانے کی مصیبت سے اس کے علم پر قناعت نہ کرنے کی مصیبت تجھ پر سخت تر ہے۔

جو دنیا میں موجود ہو اور اس کے لئے علوم و معارف غیبیہ کے دروازے مفتوح نہیں ہوئے وہ اپنی شہوات و لذات کے احاطوں میں مقید اور اپنی ذات کے چکر میں گھرا ہوا ہے۔

آب اس کے بعد ہم اپنی کتاب کو اس سرور کو نین، باعث ایجاد عالم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیج کر ختم کرتے ہیں۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ الَّذِي قَرْنَتْهُ الْبُوكَةُ بِذَاتِهِ وَحُجَّاهُ
وَتَعَطَّرَتْ الْعَوَالِمُ بِطَيْبِ ذِكْرِهِ وَرِيَاةُ وَآخِرُ دَعْوَانَا
إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ هـ

تقارین

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مجددِ طریق، شیخِ اکبر ثانی حضرت مولانا الحاج پیر غوثی شاہ اعلیٰ اللہ مقامہ کی معرکتہ الاراء و تصنیف ”نور النور“ جو مسائل تصوف میں بزبانِ اردو ”ایک درجہ امتیاز رکھتی ہے اور جس کی افادیت پر ہندوستان کے مشہور عالم حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نے یہ ایں الفاظ اعتراف فرمایا تھا۔

”مسئلہ جبر و قدر میں جس شرح و بسط کے ساتھ آپ نے بیان فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اس مسئلہ میں فقیر قریب بہ ہلاکت پہنچ چکا تھا۔

مولانا عبدالمجید دریا بادی مدبرِ صدق لکھنو

اہل تصوف کے ہاں وحدت الوجود کا مسئلہ ایک بڑا اہم اور معرکتہ الاراء مسئلہ ہے عربی و فارسی سے قطع نظر اردو میں اس کی شرح و تشریح میں بہت لکھا جا چکا ہے۔ رسالہ ”النور“ اردو کے ان سارے دفتروں میں ایک مرتبہ امتیاز رکھتا ہے۔ رسالہ میں شروع سے آخر تک اس کی پوری کوشش نمایاں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو پیچھے کو پانی کو کے بہا دیا جائے اور مسئلہ کی ہر گتھی کو ایک دلچسپ و دشین پیرایہ میں سلجھا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں پوری کامیابی محال

ہے۔ تاہم مصنف کی کوشش بہر صورت قابل قدر و لائق داد ہے۔ کتاب کے بعض ٹکڑے بہت ہی صاف و سلفہ میں اور بڑی بات یہ ہے کہ شریعت ظاہر کا دامن بھی کہیں ہاتھ سے نہیں جانے پایا آیات قرآنی کے ساتھ اور جایا احادیث کے ساتھ تطبیق کی کوشش قدم قدم پر بنایا ہے یہ کوشش بالعموم کامیاب بھی رہی ہے۔

انہارِ تشکر — و — دعا و خیر

کتاب ہذا کی طباعت و اشاعت میں مولانا الحان سید شاہ حسام الدین صاحب قادری خلیفہ حضرت سیر غوثی شاہ کی عقیدت مندانہ و مخلصانہ اعانت نے نہایت ہی فراخ دلی سے حصہ لیا اللہ تعالیٰ ان کے اس تعاون کو شرف قبولیت عطا فرمائے

اسی طرح جناب سالم بن عبد اللہ بن عثمان عرف مقبول مرید حضرت صحوی شاہ ساکن بارس حیدر آباد بھی لائق تحسین ہیں کہ جنہ کے اشتراک عمل اور خلوص عقیدت نے کتاب کی طباعت و اشاعت میں کافی سہولتیں پیدا کیں۔ ”فجراہم اللہ احسن الجزاء“۔ اس مقدس و مبارک کتاب کی اشاعت کے موقع پر ان غلصہ مریدوں و عقیدت مندوں کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ جن کے ہر عمل سے سچی عقیدت و محبت کی برآتی ہے۔

۱۔ مولوی حکیم میر محمود علی صاحب۔ ۲۔ الحاج مولوی مرزا احمد بیگ صاحب۔ ۳۔ الحاج مولوی محمد اعظم صاحب۔ ۴۔ مولوی شاہ محمد نیس صاحب معتمد سلسلہ کہ جن کا وجود سلسلہ کی مرکزیت و یکجہتی کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا و عطا فرمائے۔ آمین

ناشر: محمد وقار حامد خلیفہ اکبر حضرت سیر صحوی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

انشاء اللہ عنقریب شائع ہونے والی کتابیں

طبیعیات غوثی	بارچہارم	حضرت مولانا پیر غوثی شاہ کا مشہور نعتیہ کلام
معیت الہ	بارسوم	مصنفہ محضرت پیر غوثی شاہؒ، موضوع تصوف
فلاح مسلم	بارسوم	مصنفہ محضرت پیر غوثی شاہؒ
اشارات بلوک	بارسوم	تعلیمات سلسلہ غوثیہ کمالیہ
بدعت حسنة	بارسوم	مصنفہ مولانا صحوٰ شاہؒ (جواڑ فاتحہ وغیرہ پر مقبول عام کتاب)
تشریحی ترجمہ قرآن	باردوم	مصنفہ مولانا صحوٰ شاہؒ الم ترا ماد الناس
کتاب مبین	پارہ وار	تفسیر مولانا صحوٰ شاہؒ
تقدیس شعر	بارہ دم	مصنفہ مولانا صحوٰ شاہؒ کلام منظوم
علامات انوار		مصنفہ مولانا صحوٰ شاہؒ
اور قرآن		
شخصیات قرآن		مصنفہ مولانا صحوٰ شاہؒ
گیارہ مجالس	بارہ دم	ترتیب و انتخاب مواظف حضرت پیر غوثی، الا غفرلہ و سیکرہ
سلسلۃ النور	بارسوم	"شجرہ بیعت"